تاریخِ اہلِ حدیث

امام العصر

حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

ہندوستان میں علم و عمل بالحدیث

http://knooz-e-dil.blogspot.com/

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

ہندوستان میں مسلک اہل حدیث کن لوگوں نے پھیلایا اور کن لوگوں کی محنت کی وجہ سے آقا نامدار ﷺ اقوال وافعال ہم تک پہنچے ہیں،یہ کون لوگ تھے،الحمد للہ یہ تمام لوگ صوفی تھے،اور مولانا میرؒ کی یہ تصنیف منکرین تصوف اور نام نہاد اہل حدیث کے لئے حجت ہے،

مسلک اہل حدیث کی تاریخ بھی صوفیاء کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، اور یہ کتاب اس پر گواہ ہے۔

عقیل احمد قریشی ایڈمن کنوز دل

حصہ سوم

تاریخ اہل حدیث
ہندوستان میں علم و عمل بالحدیث

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله الذی علم بالقلمط علم الانسان مالم يعلمط والصلوة والسلام على المبعوث الى العرب و العجمط بالحكمة البابصة و الحجة البالغة و جوامع الكلمط و على اله و اصحابه سادة من نصر الدين و احكمط وائمة من بلغ وعلمط اما بعد.

اس حصہ کتاب کو ہم ان ارباب فضیلت کے ذکر سے زیب دیتے ہیں- جن کی علمی یا عملی مساعی کی برکت سے ملک ہندو پنجاب میں علم و عمل بالحدیث کی بنیاد پڑی اور اشاعت ہوئی-

(۱) جس زمانہ میں اس ملک میں اسلامی حکومت کا سکہ بیٹھا اور اس میں سلطنت اسلامیہ باقاعدہ قائم ہوئی افسوس ہمارا علم حدیث اس کے ساتھ ہی مروج نہ ہو سکا بلکہ اس کی اشاعت بہت زمانہ بعد ہوئی- جس کے اسباب ذکر کرنے کے لئے ہر عہد کی صورت فتح اور طرز حکومت اور امور سیاست اور مذہبی امور میں شاہان وقت کا نقطہ خیال اور ان کے علمی و عملی مشاغل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے- اور ان امور کی تفصیل اس وقت ہمارے مقصود سے خارج ہے-

(۲) اس عالم نشوونما اور کرہ انحطاط اور ارتقاء میں ہر چیز کی ابتدا ضعف سے ہوتی ہے اور اوج کمال تک ترقی پانے تک کئی ایک ناگزیر آفتیں بھی آتی رہتی ہیں جو رفتار ترقی کو سست و کمزور بلکہ بعض اوقات صفحہ ہستی سے نابود کر دیتی ہیں- لیکن حق ایک ایسا امر ہے

جس کا اثر کیسا ہی دھیما اور کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو اور آفت زمانہ سے دب دب کر مایوس کن صورتیں کیوں نہ دکھائی دیں- لیکن آخرکار سب مزاحمتیں دور ہو کر غلبہ اسی کو ملتا ہے والعاقبة للتقوی-

(۳) ملک ہندو پنجاب میں علم سنت مطہرہ بطوائے حدیث پاک بدء الاسلام غریباً الحدیث (مشکوٰۃ) بالکل اجنبیت کی حالت میں آیا اور صدیوں تک اس کے خواہاں خال خال نظر آتے رہے- نہ تو دربار شاہی میں اس کو بار ملا کہ سلطنت اس کی کفالت کرتی اور نہ مجالس امراء و روٴسا میں رسائی ہوئی کہ اس کے تذکرہ سے مجالس گرم ہوتیں اور نہ نصاب مدارس میں دخل ملا کہ علماء اس کی خدمت سے بہرہ اندوز ہوتے-

ممالک بعیدہ سے انواع واقسام کے حیوانات وطیور جمع کرنے کا خاص اہتمام تھا- بادشاہ سلامت خود تشریف لا کر خاص دلچسپی سے ان کو ملاحظہ فرماتے لیکن حدیث نبویؐ کا کوئی کتب خانہ جمع نہ کیا گیا- مشاعرہ اور گپ بازی سے مجالس کو رونق دی جاتی- ظریفوں، نقالوں اور بھانڈوں کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں اور علاوہ بریں ان پر عطیات و انعامات بارش کی طرح برسائے جاتے تھے- لیکن قال (الصحابی) قال رسول الله (ﷺ) کی صدا سے کان غیر مانوس تھے- درسیات میں ارسطو کے فرسودہ خیالات اور اقوال الرجال کو منتہائے علم قرار دیا گیا لیکن وحی ربانی اور سنت رسول حقائق جو شریعت حقہ کا مدار اور عقلیات کی محک صادق ہے- اسے حلقہ درس میں دخل ہی نہ تھا-

آہ! مسلمانوں کا کتنا روپیہ تحریش بہائم (مینڈھا بازی وغیرہ) اور کنکوا بازی میں صرف ہوتا- لیکن خرچ شاہی سے کسی جماعت کو عربستان میں تحصیل و تکمیل فن حدیث کے لئے بھیجا نہ جاتا جیسا کہ انگریزی حکومت کے وقت بعض کمالات کی تکمیل کے لئے بعض اشخاص کو شاہی وظائف سے امریکہ وغیرہ ممالک میں بھیجا جاتا ہے فیا اسفی-

غرض شاہی کفالت سے تو اس فن کی طرف مطلقاً توجہ نہیں کی گئی لیکن ہاں ذاتی طور پر بعض ارباب ہمت نے صعوبت سفر برداشت کی اور وہ "حرمین شریفین" (حرسهما الله) کی زیارت سے مشرف ہونے کے ساتھ اس فن کے جواہرات سے

بھی دامن بھر لاتے رہے۔

خدائے ذوالجلال کے علم میں اس کے لئے ایک ایسا وقت بھی مقرر تھا کہ ہندو پنجاب کا کوئی بھی گوشہ اس کے فیض سے خالی نہ رہے۔ سونجوائے والله متم نوره ہو کر رہا۔ولله الحمد

اس ملک میں اس پاک علم کا رواج گو دوسرے ممالک سے صدیوں بعد ہوا۔ لیکن خدا کے فضل سے اشاعت میں دوسروں سے کم نہ رہا اور بالخصوص اس آخری دور میں کہ قیامت سر پر آ رہی ہے اور مسلمانوں میں عملی ضعف نہایت تک پہنچ چکا ہے۔ عمل بالحدیث میں تو دوسرے ممالک سے بدرجہا فائق ہے فله الكبرياء فى السموات والارض وهو العزيز الحكيم۔ التماس۔ اس خوشہ چین علمائے متقدمین نے اس حصہ کتاب میں زیادہ تر حاجی خلیفہ قسطنطینی (المتوفی ۱۰۶۷ھ) کی کتاب کشف الظنون اور حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی ۱۲۰۰ھ کی کتاب ماثر الکرام اور شیخ شیخنا حضور پر نور نواب سید صدیق حسن صاحب کی کتب ابجد العلوم اور اتحاف النبلاء سے مدد لی ہے اور بعض جگہ مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ کی کتاب فوائد بہیہ اور اس کے حواشی سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ (جزا هم الله اجمعين) اور جس کتاب سے کچھ لیا ہے حسب عادت اس کا حوالہ دے دیا ہے۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر اس میں کوئی غلط فہمی پائیں تو سوءظن سے اجتناب کرتے ہوئے میرے سہو و قصور علم کا نتیجہ سمجھیں اور اسے دامن اغماض سے ڈھانپ کر اس کی اصلاح کر دیں۔ اور اس عاجز کو دعائے خیر سے یاد کریں کہ میں نے عربی اور فارسی زبان کی کمیاب کتابوں سے انتخاب کر کے اردو خواں اخوان کے لئے ان کی زبان میں ایک نادر تحفہ پیش کر دیا ہے۔ والله الموفق الخير اللهم تقبل منى انك انت السميع العليم وانفعنى ولا بائى و اخوانى بهذا التحفة السنية الهدية البهيه فى الدنيا والاخره۔

مسود اوراق سیاہ کار میر سیالکوٹی ۱۵ شوال۔

شیخ رضی الدین حسن صغانی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۵۷۷ھ وفات ۶۵۰ھ

آپ کے والد ماجد صغان علاقہ ماوراء النہر سے آ کر پنجاب کے دار الخلافہ شہر لاہور میں آباد ہوئے جہاں آپ ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ ابتداء حال میں آپ نے اپنے والد ماجد سے تعلیم پائی۔ اور کافی مہارت حاصل کی۔ افسوس ہے کہ شیخ موصوف نے والد ماجد کے علاوہ جن ہندی شیوخ سے علم پڑھا۔ ان کے اسماء گرامی معلوم نہیں ہو سکے۔ آپ کے جو حالات یہاں لکھے جاتے ہیں۔ وہ ابجد العلوم و اتحاف النبلاء ہر دو مصنفہ نواب صاحب مرحوم ماثر الکرام مصنفہ حسان الہند سید غلام علی صاحب آزاد بلگرامی اور کشف الظنون مصنفہ حاجی مصطفیٰ چلپی استنبولی سے ماخوذ ہیں۔

آپ ۶۱۵ھ میں بغداد چلے گئے اور کئی سال تدریس و تصنیف میں گذارے۔ پھر مکہ شریف میں جا کر کچھ مدت وہاں کی ظاہری و باطنی برکات سے بہرہ اٹھاتے رہے۔ بعد ازاں عراق میں واپس آ گئے۔ ۶۱۷ھ میں خلیفہ معتصم عباسی نے آپ کو بطور سفیر ہندوستان بھیجا۔ ۶۲۴ھ میں ہند سے عراق لوٹے۔ اس کے بعد دوسری بار بطور سفیر ہندوستان آئے اور ۶۳۷ھ میں بغداد تشریف لے گئے۔

آپ نے اپنے والد ماجد کے علاوہ بعض دیگر علمائے عراق عرب و مکہ معظمہ سے بھی علم حاصل کیا اور حدیث کی سماعت کی۔ پھر بغداد کی طرف رحلت کی اور مدت تک وہاں اقامت پذیر رہے اور تدریس و تصنیف میں مشغول رہے۔ آپ مختلف فنون مثلاً حدیث لغت اور فقہ کے مسلم صاحب مہارت امام تھے۔ آپ نے مختلف علوم میں متعدد کتابیں لکھیں مثلاً علم حدیث میں مشارق الانوار جو تمام دنیا میں مشہور و متداول ہے۔ اس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سے احادیث کو انوکھی ترتیب پر منتخب کیا ہے۔ علمائے حدیث نے اس کی متعدد مختصر اور مبسوط شرحیں لکھی ہیں۔ مثلاً صاحب قاموس نے "شوارق الاسرار" العلیہ چار جلدوں میں اور عزالدین ابن ملک نے مبارک

الازہار (مطبوعہ انقرہ ۱۳۲۸ھ) دو جلدوں میں - اس فقیر کے پاس یہ کتاب موجود ہے - الحمد للہ میں نے اس سے نادر علمی فوائد حاصل کئے ہیں -

مشارق الانوار کا ترجمہ مولانا خرم علی صاحب پھلواری نے اردو میں کیا تھا جو ہندوستان میں چھپ چکا ہے - اس کے علاوہ حدیث میں شرح بخاری و مصباح الدجی و الشمس المنیرہ و در السحابہ اور اس کی شرح -

علم لغت میں کتاب شوارد و عباب و شرح القلادۃ السمطیہ فی توضیح الدر الدریہ - نیز کتاب الفرائض اور کتاب العروض آپ کی تصنیفات میں سے ہیں -

آپ بغداد میں ۶۵۰ھ میں معتصم عباسی کے زمانہ میں فوت ہوئے - آپ نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ آپ کی نعش کو مکہ معظمہ لے جایا جائے - اس لئے آپ کو پہلے بغداد میں امانتاً دفن کیا گیا - آپ نے اپنی کتاب مشارق الانوار میں اپنی قبر کے مکہ شریف میں ہونے کی دعا کی تھی جس کی تاریخ یہ ہے اماته بها حميد افاقبره ثم اذا شاء انشره - رحمه الله

شیخ علی متقی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ

المتولد ۸۸۵ھ — المتوفی ۹۷۵ھ

ان کے حالات حسان الہند میر غلام علی صاحب آزاد بلگرامی نے ماثر الکرام (دفتر اول) میں اور شیخ شیخنا حضرت نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابجد العلوم اور اتحاف النبلاء میں حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب سے نقل کئے ہیں -

نوٹ :- شیخ عبد الحق صاحب مرحوم مرید تھے شیخ عبد الوہاب صاحبؒ کے اور وہ خلیفہ تھے حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کے -

شیخ علی متقیؒ اصل میں جونپوری ہیں - آپ کی پیدائش ۸۸۵ھ میں[1] میں شہر برہان

[1] سنہ ولادت کی تعیین مذکورہ بالا کتب میں سے کسی کتاب میں نظر ناقص میں نہیں آئی مگر ہر سہ کتب میں مکتوب ہے کہ آپ مکہ شریف میں نوے سال کی عمر میں ۹۷۵ھ میں فوت ہوئے ۹۷۵ میں سے نوے تفریق کریں تو تاریخ ولادت ۸۸۵ھ ہجری بنتی ہے - واللہ اعلم -

پور (علاقہ دکن) میں ہوئی - ان کے والد ماجد صوفی مشرب تھے - انہوں نے ان کو ان کی طفولیت ہی میں اپنے پیر شیخ باجن رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت میں منسلک کر دیا - سن تمیز کو پہنچے تو والد ماجد مرحوم کی موافقت میں شیخ باجن صاحب موصوف ہی کے حلقہ ارادت میں رہے - لیکن جب بالغ ہو گئے' اور والد جسمانی اور پیر روحانی ہر دو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں چلے گئے تو بزرگوں کے مشہور قول کے مطابق کہ وہ بچہ جو بچپن میں کسی شیخ کی مریدی میں داخل ہوا جب بلوغت کو پہنچے تو اسے اختیار ہے کہ خواہ اسی کی بیعت میں رہے - خواہ کسی دیگر شیخ وقت کے سلسلہ میں منسلک ہو جائے - انہوں نے اس کے مطابق با اختیار خود باقاعدہ شیخ باجن مرحوم کے فرزند شیخ عبد الحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہ پوشی کی سعادت حاصل کی - چونکہ تصوف کی چاٹ بچپن میں لگ چکی تھی - اور تخم کی تاثیر بھی تھی اور نشو نما بھی اسی چشمہ صافی کی سیرابی سے ہوا تھا اور معصوم طبع اسی رنگ کی گلکاری سے مزین ہو چکی تھی - اس لئے طبیعت میں یہ پیاس ہمیشہ رہی کہ کوئی مردِ الٰہی ملے جو مجھے راہ حق دکھائے اور منزل مقصود پر پہنچائے - اسی تڑپ میں ملتان (علاقہ پنجاب) کی راہ پکڑی اور علوم ظاہر و باطن میں حسام الدین متقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور مدت تک ان سے ظاہری و باطنی فیوض حاصل کرتے رہے - بعد ازاں ۹۵۳ھ میں عازم حرمین شریفین ہوئے اور مکہ معظمہ میں طرح اقامت ڈالی شیخ ابو الحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ[1] کی صحبت اختیار کر کے خرقہ قادری و شاذلی و مزنی زیب تن فرمایا - نیز یہ تینوں خرقے شیخ محمد بن محمد سخاویؒ سے پہنے -

نشر علوم اور فیض صحبت :- زمانہ اقامت مکہ میں آپ کے تقوی و طہارت اور نشر علوم ظاہری اور فیض باطنی کی شہرت دور و نزدیک کے بلاد میں پھیل گئی اور عوام و

[1] شیخ ابن حجر مکیؒ مکہ شریف میں مفتی حجاز تھے - جامع علوم ظاہری و باطنی تھے - ان کی عمدہ تصانیف سے الصواعق المحرقہ ہے جو خلافت راشدہ کے ثبوت اور رد شیعہ میں مقبول خاص و عام ہے - آپ مکہ شریف میں ۹۷۳ھ میں فوت ہوئے رحمہ اللہ علیہ -

خواص آپ کے فضائل وکمالات کا اعتراف کرنے لگے- حتی کہ آپ کے استاد شریعت اور شیخ طریقت شیخ ابن حجر مکیؒ مصنف صواعق محرقہ نے بھی آپ کی شاگردی اختیار کی اور آپ کے حلقہ ارادت میں منسلک ہوگئے اور آپ سے خرقہ تصوف زیب تن فرمایا-

تصانیف : آپ کی تصانیف ایک سو سے زائد ہیں اور سب نافع ومفید ہیں- ان میں سے علم حدیث میں قابل قدر خدمت یہ ہے کہ امام سیوطی کی کتاب جمع الجوامع[1] کو فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا- آپ کے استاد ابوالحسن بکری مکی اس کتاب کی نسبت فرماتے ہیں کہ امام سیوطیؒ کا احسان تمام لوگوں پر ہے اور شیخ علی متقی کا احسان امام سیوطی پر ہے[2] نیز حضور نواب صاحب مرحوم ابجد العلوم[3] میں فرماتے ہیں-

قد وقفت علی بعض توالیفه فوجدتها نافعة مفیدة ممتعة تامة

(صفحه ۸۹۵)

میں آپ کی بعض تصانیف سے واقف ہوا تو ان کو نفع مند مفید اور کامل کار آمد پایا-

قبولیت واشارہ غیبی : آپ کے شاگرد وخلیفہ شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک عالیشان مکان دیکھا- جو بہشت بریں کے طور پر انوار وانہار سے آراستہ وپیراستہ ہے اور شیخ علی متقی اس میں بیٹھے ہیں- اس مکان کے صحن میں بعض چھوٹی اور بعض بڑی نہریں اور نالیاں (لبالب) بہ رہی ہیں- حضرت شیخ صاحب مرحوم نے مجھے ایک نہر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ جامع صغیر ہے- اور ایک نالی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ فلاں رسالہ ہے- پھر دوسری نالی کی طرف کہ یہ فلاں

[1] جمع الجوامع اور جامع الصغیر الکبیر کو شیخ مرحوم نے کتاب کنز العمال میں مع زواید جمع کردیا ہے- جو حیدر آباد دکن میں بڑی تقطیع کی چار جلدوں میں طبع ہوچکی ہے- الحمد للہ اس عاجز کے پاس یہ چاروں جلدیں اور جامع صغیر مطبوعہ مصر جس کے حاشیہ پر عبدالرؤف مناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ کی کتاب کنوز الحقائق جو اس طرز حروف تہجی کی ترتیب سے ہے طبع شدہ ہے کنوز الحقائق میں دس ہزار حدیثیں جمع ہیں-

[2، 3] اتحاف النبلا مقصد اول صفحہ ۱۲۹ نیز ابجد العلوم صفحہ ۸۹۵-

رسالہ ہے- اسی طرح اپنی کتابوں اور رسالوں کے نام لے کر ہر ایک کو نہر اور نالی سے معین کرتے تھے- (اتحاف النبلاء صفحہ ۳۲۶)

اہل علم وفضل کی قدر دانی : شیخ شیخنا حضرت نواب صاحب مرحوم ملا علی قاری کے حال میں فرماتے ہیں کہ زاد المتقین میں شیخ علی متقیؒ کے ذکر میں لکھا ہے کہ اہل عجم سے ایک آدمی تھا- نہایت خوشخط- اس کو ملا علی قاری کہتے ہیں- اس کی فضیلت اور اہلیت اور افلاس کو دیکھ کر میں نے اس سے تفسیر جلالین دس جدید پر خریدی- اس پر بھی فرماتے تھے کہ (ملا علی قاریؒ) نے عجب محنت اٹھائی ہے- اس سے زیادہ (قیمت) پر بھی خرید سکتے ہیں- حالانکہ تفسیر مذکور اہل مکہ کے خط سے ایک جدید کو دستیاب ہو جاتی تھی (اتحاف النبلاء صفحہ ۳۲۶)

وفات : آپ نوے سال کی عمر میں ۹۷۵ھ میں مکہ شریف میں فوت ہوئے- تاریخ وفات شیخ مکہ ہے شیخ عبدالوہاب شعرانی مصری[1] (رحمۃ اللہ علیہ) طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں-

[1] شیخ عبدالوہاب شعرانی مذکور الفوق عبدالوہاب (پیرو مرشد شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ) کے سوا دوسرے بزرگ ہیں- آپ دسویں صدی کے مصری مشائخ طریقت میں سے ہیں- شافعی المذہب تھے- شریعت وطریقت ہر دو کے جامع تھے- صاحب کرامت تھے- ائمہ دین اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھتے تھے- بالخصوص امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کا بہت ادب کرتے تھے- ان کے حق میں بے ادبی کرنے والے کو بہت برا جانتے تھے- بلکہ اگر ایسے گستاخوں پر کوئی بلا نازل ہو تو ان کی عیادت بھی نہیں کرتے تھے- اختلافات ائمہ میں ان کی روش معتدل ہے- جہاں تک ہو سکے ان کے اقوال کی توجیہ بیان کر کے ان کے اختلافات کو جمع کرتے ہیں- اس امر میں ان کی کتاب میزان کبریٰ مشہور ہے- الحمد للہ اس فقیر کے پاس موجود ہے- صاحب تصانیف تھے- ان کی سب تصانیف مفید اور مقبول علماء ہیں- مجھ زلہ ربائے کو ان سے کمال عقیدت ہے- ۱۳۳۰ھ کے سفر حج کے ضمن میں (دیگر بلاد اسلامیہ کا سفر بھی کیا تھا- مصر' حیفا' یافا' مذمرین' بیت المقدس اور دمشق) مصر میں نماز جمعہ جامع امام شافعی میں پڑھ کر امام شافعیؒ کی قبر پر فاتحہ پڑھی- پھر مغرب کی نماز شیخ صاحب ممدوح کی جامع مسجد میں پڑھی اور آپ کی قبر کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھی- آپ ۹۷۳ھ میں فوت ہوئے-

اللهم ارحمه برحمتك الواسعة

شیخ علی ہندی نزیل مکہ مشرفہ ہیں- ان سے ۹۴۷ھ میں مکہ شریف میں ملا- میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور آپ میرے ہاں تشریف لاتے تھے- آپ صاحب علم صاحب ورع، زاہد (بے نفس) تھے- نحیف البدن تھے- فاقوں کی کثرت سے آپ کے بدن پر ایک اوقیہ گوشت نہیں ہوگا- آپ نہایت خاموش اور تنہائی پسند تھے- گھر سے سوائے حرم کعبہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے نہیں نکلتے تھے- اور صفوں کے کناروں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور جلدی ہی واپس چلے جاتے تھے- آپ نے مجھ کو اپنے مکان میں داخل ہونے کا شرف بخشا تو میں نے آپ کے پاس فقرائے صادقین کی ایک جماعت دیکھی ہر فقیر ایک خاص حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھا- بعض تو (قرآن شریف کی) تلاوت کر رہے تھے اور بعض ذکر (الٰہی) میں (مشغول تھے) اور بعض مراقبے میں (مستغرق) تھے اور بعض کتابوں کے مطالعہ میں (مصروف) تھے- مجھ کو مکہ شریف میں (لوگوں کی ملاقات و اشغال کے متعلق) اس سے زیادہ کسی شے نے خوش نہیں کیا- آپ کی تصانیف متعدد ہیں- مثلاً حافظ سیوطیؒ کی جامع صغیر کی (فقہی) ترتیب اور مختصر النہایہ وغیرہما-

آپ نے مجھ کو ایک نسخہ قرآن شریف اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا دکھایا جو صرف ایک ورق پر (لکھا ہوا) تھا- اس کی ایک سطر میں ایک حزب کی چوتھائی تھی-

شیخ محمد طاہر صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۹۱۲ھ وفات ۹۸۶ھ

شیخ رضی الدین مرحوم کے بعد معلوم نہیں اس ملک میں کون سا محدث گذرا- ہاں جہاں تک معلوم ہوا ہندیوں میں سے جس شخص نے ہندوستان میں علم حدیث کی طرح ڈالی اور احیائے سنت مطہرہ ورد بدعات کا بیڑا اٹھایا وہ شیخ محمد طاہر صاحبؒ پٹن گجراتی ہیں-

شیخ صاحب ممدوح قوم بوہرہ سے باشندگان پٹن گجرات سے تھے- آپ ۹۱۲ھ ۹۱۴ھ میں پیدا ہوئے- اور اس ملک کے باکمال بزرگوں سے تحصیل علم کرنے

کے بعد سفر حرمین شریفین (حرسهما الله و عظم شانهما) سے مشرف ہوئے- وہاں کے مشائخ حدیث سے فن حدیث کی تکمیل کی- خصوصاً شیخ علی متقی جونپوری مذکور الفوق سے- میر علی آزاد بلگرامی ماثر الکرام میں فرماتے ہیں "علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد حرمین شریفین کی راہ لی اور وہاں کے علماء اور مشائخ سے ملاقات کی خصوصاً شیخ علی متقیؒ سے کہ آپ کی محفل اشرف سے بہت سے فیوض حاصل کئے اور آپ کی مریدی کی سعادت سے بھی فائز ہوئے-" (مترجماً و ملخصاً صفحہ ۱۹۴) بعدہ اپنے وطن کی طرف واپس ہوئے اور اجرائے سنت مطہرہ اور رد بدعات میں نہایت سرگرمی سے سعی کرنے لگے حتی کہ اپنے دل میں عہد کر لیا کہ جب تک اپنی قوم کی پیشانی سے بدعت کا داغ نہ دھولوں گا دستار سر پر نہ رکھوں گا- (سبحان اللہ)

۹۸۰ھ میں جب اکبر بادشاہ ہند نے گجرات کو مسخر کر لیا اور پٹن میں جو شیخ صاحب ممدوح کا وطن تھا شیخ صاحب سے ملاقات کی- اور حالات معلوم کئے تو شاہ قدر شناس نے اپنے دست خاص سے حضرت شیخ صاحب کے سر پر دستار رکھی اور کہا کہ آپ کے دستار (مبارک) کو ترک کر دینے کا باعث ہمارے گوش گذار ہوا ہے- دین اسلام کی نصرت آپ کے ارادے کے موافق ہماری عدالت کا فرض ہے-

اسی سال میں گجرات کی حکومت خان اعظم مسند میرزا عزیز کو کلتاش کے سپرد کی گئی چنانچہ اس کی اعانت و توجہ خصوصی سے بہت سی رسوم و بدعات کی بیخ کنی ہو گئی- لیکن ان کے تھوڑی دیر بعد حکومت عبدالرحیم خاں خانخاناں کو دی گئی جس کی حمایت میں فرقہ مہدویہ یعنی سید محمد جونپوری مدعی مہدویت کے پیرو پھر جاگ اٹھے- شیخ صاحب ممدوح نے پھر دستار اتار دی اور دارالخلافہ اکبر آباد یعنی آگرہ کا قصد کیا- تاکہ سارا ماجرا خود بادشاہ کے کانوں تک پہنچائیں- مخالفین کی بھی ایک جماعت پیچھے ہو لی- چنانچہ انہوں نے رستہ ہی میں آپ کو اوجین اور سارنگپور کے درمیان گرا کر شہید کر دیا- یہ واقعہ جاں گزا ۹۸۶ھ میں ہوا-

تصانیف: شیخ مرحوم نے علم حدیث کی نہایت قابل قدر خدمت کی- راویان

علم حدیث کے اسماء کی حرکات کا ضبط نہایت ضروری ہے-اس کے متعلق ایک کتاب بنام مغنی لکھی جو دہلی میں تقریب التہذیب کے ساتھ مکرر چھپ چکی ہے[1] اسی طرح علم حدیث کی حل لغات میں مجمع بحار الانوار جو نہایت مشہور کتاب ہے- مفید و قابل قدر یادگار چھوڑی-جو تین جلدوں میں ہندوستان میں مکرر چھپ چکی ہے- یہ کتاب فائق زمخشری اور نہایہ ابن اثیر کی جامع ہے-

الحمدللہ کہ خاکسار کے پاس یہ سب کتابیں موجود ہیں(نفعنی الله بها فی الدنیا و الاخره)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

ولادت ۹۵۸ھ وفات ۱۰۵۲ھ

شیخ محمد طاہر صاحب پٹنی کے بعد اسی زمانے میں علم حدیث کی خدمت کا تمغہ شیخ عبدالحق صاحب دہلوی کے بازو پر ہے- آپ قوم ترک سے ہیں- آپ کے والد کا نام سیف الدین ہے جو شاہ عالی جاہ شاہجہاں مرحوم کے وقت دہلی میں متوطن ہوئے اور یہیں ہمارے شیخ صاحب ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے-

اپنے وطن دہلی سے بائیس سال کی عمر میں تحصیل علوم کے بعد زیارت حرمین سے مشرف ہوئے اور کئی سال تک فن حدیث کی تکمیل[2] کے بعد وطن کو مراجعت کی اور اس فن کی خدمت کرنے لگے-چنانچہ لمعات شرح عربی مشکوٰۃ اور اشعۃ اللمعات شرح فارسی

[1] اس کے بعد خاتمہ پر ایک فصل تواریخ میں مقرر ہے- جس میں عموماً حضور اکرم ﷺ اور خلفائے اربعہ اور ائمہ اربعہ اور بعض دیگر اجلہ محدثین رحمہم اللہ اجمعین کے سنہ ولادت اور وفات لکھنے پر اکتفا کیا ہے-اس فقیر نے اس پر کچھ زیادہ کر کے اس کا نام اثمار اشماریخ فی تفصیل التواریخ نام کتاب شروع کر رکھی ہے خدا اپنے فضل سے اختتام کو پہنچائے-یہ کتاب ایسے حال میں لکھ رہا ہوں کہ بینائی نہایت کمزور ہو گئی ہے- اللّٰھم متعنی بسمعي و بصری و اجعلهما الوارث منی-خاکسار گنہگار میر سیالکوٹی جنوری ۱۹۵۲ء مطابق ۶ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ-

[2] حضرت نواب صاحب مرحوم ابجد العلوم میں فرماتے ہیں رحل الی الحرمین و صحب الشیخ عبدالوهاب المتقی خلیفة الشیخ علی المتقی و اکتسب علم الحدیث و عادالی الوطن و استقربه أثنتین و خمسین سنة بجمعیة الظاهر و الباطن و نشر العلوم (صفحہ ۹۰۱) یعنی بائیس سال کی عمر میں حرمین شریفین کا سفر کیا اور شیخ علی متقی کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب کی صحبت میں رہے اور ان سے علم حدیث حاصل کیا اور اپنے وطن کی طرف لوٹے- اور باون سال تک ظاہر و باطن کی جمعیت کے ساتھ یہیں ٹھیرے رہے اور علوم کی اشاعت کرتے رہے-اس سے آگے فرماتے ہیں آپ کی تصانیف سو تک پہنچتی ہیں- نیز فرماتے ہیں کہ جب میں دہلی میں وارد ہوا تو آپ کی قبر کی زیارت کو گیا اور موضع قبر کو انس و ٹھنڈک کا موجب پایا(رحمہ اللہ)(صفحہ ۹۰۱)

مشکوٰۃ اور شرح سفر السعادت وغیرہ نہایت عمدہ خدمتیں ہیں-اگرچہ ان تصانیف میں عموماً اپنے مذہب حنفی کی تائید کی ہے اور شان محدثیت کے لائق فتح الباری وغیرہ کتب کی تحقیقات سے اپنی کتب کو مزین نہیں کیا- لیکن پھر بھی بہت سے مسائل میں فقہائے حنفیہ کے مقابلے میں اہل حدیث کی جانب کو ترجیح دی ہے جو غنیمت ہے- آپ کی تحقیقات حدیثیہ کا ماخذ زیادہ تر ابن ہمام کی فتح القدیر اور علامہ عینی کی شرح بخاری ہے-جو خود مذہب حنفی کی تقلید کے ملتزم تھے اور شرح مشکوٰۃ میں زیادہ تر طیبی اور مرقاۃ مصنفہ ملا علی قاریؒ وغیرہما سے لیا ہے- آپ پر صوفیانہ مذاق غالب تھا- قادری طریق پر تھے- سید موسیٰ کے مرید تھے جو شاہ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے-اس فن کی خدمت میں بھی کتابیں لکھیں-چنانچہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب فتوح الغیب کی شرح فارسی ایک مفید یادگار ہے-

شروح کتب کی خدمت کے علاوہ آپ نے بعض مستقل کتابیں بھی لکھیں مثلاً مدارج النبوۃ جو آنحضرت ﷺ کی ایک مبسوط سوانح عمری ہے-اس میں صحت روایات کا التزام نہیں کیا-بلکہ ہر قسم کی ضعیف و صحیح روایات کو بغیر تنقید کے جمع کر دیا ہے-جو بوجہ شیخ صاحب کی قبولیت عامہ کے عام واعظین کا خزانہ وعظ اور عیسائی وغیرہ معترضین اسلام کے لئے مایہ اعتراضات ہے-

اسی زمانہ میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا آفتاب مجددیت بھی نور افگن تھا اور بدعات کے بادل ہوا ہو رہے تھے-

چونکہ حضرت مجدد صاحب احیائے سنت و رد بدعت میں نہایت سرگرم تھے اس لئے حضرت شیخ صاحب کو آپ سے بعض امور کی وجہ سے جو ان کی نظر میں بوجہ تقلید و اختیار تصوف مروجہ کے معیوب نہ تھے کچھ نقار تھا- لیکن اخیر عمر میں جب خدا تعالیٰ

نے طبیعت سے پردہ اٹھادیا اور حضرت مجدد صاحب کے طریق عمل کی راستی مشہود ہو گئی تو سب غبار و نقار جاتا رہا- اور ایسی صفائی حاصل ہوئی کہ باید وشاید- چنانچہ آپ خود حضرت خواجہ حسان الدین خلیفہ حضرت شاہ باقی باللہ صاحب (قدس اللہ اسرارہم) کو ایک خط میں لکھتے ہیں-

ان ایام میں شیخ احمد (رحمہ اللہ) کی نسبت فقیر کی صفائی حد سے بڑھ گئی ہے- ہرگز بشریت کا پردہ اور طبیعت کا حجاب باقی نہیں رہا- عقل وانصاف وطریقت سے قطع نظر کر کے (یوں بھی) ایسے بزرگواروں اور عزیزوں کی برائی کوئی مناسب نہیں- اور (میرے) باطن میں بطریق ذوق ووجدان وغلبہ (حال) ایسا کچھ آگیا ہے کہ زبان اس کے ذکر سے گونگی ہے- پاک ہے وہ خدا جو دلوں کا پھیرنے والا اور احوال کا بدلنے والا ہے- شاید ظاہر بین لوگ اس بات کو بعید جانیں- میں نہیں جانتا کہ (میرا) کیا حال ہے اور کس طور پر ہے- (عالم بے خودی وحیرت طاری ہے) (انتہی مترجما از اتحاف صفحہ ۳۰۵)

سبحان اللہ! ہمارے بزرگان دین کے دلوں میں کیسی صفائی تھی اور وہ کس قدر صادق الاحوال تھے کہ جب اپنی غلطی یا دوسرے بھائی کی بے گناہی معلوم ہوئی تو فوراً اس سے رجوع کر کے اس کا اعلان کر دیا اور اس پر اصرار وضد ہرگز نہیں کی- خداوندا! ہم کو بھی ایسے پاک باطن نصیب کر آمین-

مجھ عاجز کو آپ کے علم وفضل اور خدمت علم حدیث اور صاحب کمالات ظاہری وباطنی ہونے کی وجہ سے حسن عقیدت ہے- آپ کی کئی ایک تصانیف میرے پاس موجود ہیں- جن سے میں بہت سے علمی فوائد حاصل کرتا رہتا ہوں-

امام ربانی مجدد الف ثانی
شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت شوال ۹۷۱ھ   وفات ۱۰۳۴ھ

شیخ عبدالحق کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ ان کے معاصر ہیں- آپ کی

ولادت باسعادت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ میں قصبہ سرہند ضلع انبالہ میں ہوئی- آپ کا نسب نامہ کئی پشتوں کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ سے جاملتا ہے-

ابتدا میں قرآن حفظ کیا- ابتدائی تعلیم کئی دیگر علوم اور فیوض باطنیہ اپنے والد ماجد مخدوم عبدالاحد صاحبؒ سے حاصل کئے- جو اپنے وقت کے مسلم باکمال بزرگ تھے- اس کے بعد مختلف بلاد کا سفر کر کے زمانہ کے متعدد فضلا سے تحصیل کی- چنانچہ سیالکوٹ پہنچ کر بڑی تحقیق سے بعض علوم عقلیہ استاذ زمانہ مولانا المحقق ملا کمال کشمیری سیالکوٹی سے اور فن حدیث ملا یعقوب کشمیری سے حاصل کیا-

آپ نے حرمین شریفین میں اکابر محدثین کی صحبت سے فیض اٹھایا اور ان سے حدیث شریف کی سند حاصل کی اور حدیث رحمت یعنی الراحمون یرحمھم الرحمن (رواہ الترمذی فی نوادرہ) کو مسلسلا ابن فہد سے جو اکابر محدثین کی صحبت سے فیض اٹھایا اور ان سے حدیث اور صحاح ستہ اور دوسری کتابوں کی اجازت حاصل کی (ابجد العلوم جلد چہارم صفحہ ۸۹۸)

علمی خدمات:- ۱۷ سال کی عمر میں تمام علوم درسیہ سے فارغ ہو کر تدریس میں مشغول ہو گئے- آپ نے عربی وفارسی میں بہت لطیف رسائل لکھے ہیں- آپ کے مکتوبات تین جلدوں میں ہیں- جو آپ کے تبحر علمی پر قطعی حجت ہیں- سنا گیا ہے کہ ان کا ترجمہ عربی میں بھی ہو چکا ہے- مگر دیکھنے میں نہیں آیا- آپ کی کئی ایک اور تصانیف بھی ہیں-

آپ کے والد ماجد نے ۱۰۰۷ھ میں وفات پائی تو آپ ۱۰۰۸ھ میں دہلی پہنچے- جہاں پر اپنے مخلص دوست خواجہ حسن کشمیری کی وساطت سے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے- دونوں بزرگوں کے دلوں میں بوجہ صفائی قلب ایسا جذب پیدا ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب نے ان کے آنے کو غنیمت جانا اور انہوں نے ان کی صحبت کو اکسیر سمجھا-

آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ صاحب سے نقشبندی طریقہ کا فیض پایا اور اسی

طرح دیگر مشائخ طریقت سے تصوف کے دوسرے طریقوں کا فیض حاصل کیا- آپ کا سلسلہ یعنی طریقہ مجددیہ ہند سے ماوراء النہر، روم، شام، عرب اور مغرب اقصی تک پہنچ گیا-

آپ بلا اختلاف عالم باعمل، عارف کامل، جامع کمالات ظاہری و باطنی اور گیارہویں صدی کے مسلم مجدد ہیں- مجددیت کا لقب سب سے پہلے آپ کو مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی نے دیا کہ وہ بھی ملا کمال کشمیری ممدوح کے شاگرد تھے-

عام قبولیت اور ابتلا: عام قبولیت کے سبب آصف خاں وزیر اعظم نے جو شیعی المذہب تھا- جہانگیر بادشاہ کے گوش گذار کیا کہ ان کا شہرہ اور لوگوں کی ان سے ارادت و عقیدت خطرہ سے خالی نہیں- اکثر امرائے دربار مثل خانخاناں و سید صدر جہاں و خانجہاں و خان اعظم و مہابت خاں و نزہت خاں و اسلام خاں و سکندر خاں و دریا خاں و مرتضی خاں وغیرہم ان کے معتقد و مرید ہو گئے ہیں- بادشاہ نے اول تو آپ کے معتقد سرداروں کو دور دور کے علاقوں میں تبدیل کر دیا اور پھر حاکم سربلند کے نام فرمان بھیجا کہ آپ کو شاہی ملاقات کے لئے نہایت عزت واحتشام سے دربار میں بھیج دے- دربار میں جانے پر آپ نے نہ تو سجدہ سلام ادا کیا جو جہانگیر کے دربار میں مروج تھا اور نہ آپ دیگر لوازمات آداب و کورنشات شاہی بجا لائے- ندیموں نے طریق معتادہ پر سجدہ کرنے کا اشارہ کیا تو آپ نے فرمایا یہ پیشانی غیر اللہ کے لئے نہ کبھی پہلے جھکی ہے اور نہ جھکے گی- اس جرات کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہانگیر نے آپ کو خطرناک سمجھ کر بمشورہ وزیر مع آپ کے ساتھیوں کے قلعہ گوالیار میں نظر بند کر کے بھیج دیا- آپ نے وہاں پہنچ کر اپنے کل خلفاء کو خطوط لکھے کہ میری یہ کیفیت میری رضامندی سے ہے- آپ لوگ شاہ وقت کے برخلاف کوئی ایجی ٹیشن (بغاوت) نہ کریں- آپ تین سال قید میں رہے- اس اثناء میں جہانگیر بیمار پڑا اور اسے خواب میں تنبیہ کی گئی- جس پر اس نے رہائی کا حکم دیا- نہایت عزت واحترام سے اکبر آباد (آگرہ) میں بلایا- اور دعا کی درخواست کی- آپ نے گیارہ خلاف شرع رسوم کی جو سلطنت میں رائج ہو چکی تھیں اصلاح کے

لئے فرمایا- سب سے ضروری اصلاح سجدہ تعظیمی کی موقوفی تھی- جہانگیر نے بصدق دل سب کچھ قبول کیا- آپ نے دعا فرمائی جسے اللہ تعالی نے شرف قبولیت بخشا اور جہانگیر شفایاب ہو گیا- یہی آپ کی مجددیت کی شہرت کا زینہ ہے- اس کے بعد یوماً فیوماً آپ رد بدعات و اصلاح رسوم شرکیہ میں مصروف رہے- آپ کا نام عام طور پر مجدد صاحب مشہور ہو گیا اور آپ مجدد الف ثانی یعنی گیارہوی صدی کے مجدد کے لقب سے پکارے جانے لگے- اس کے بعد پھر آپ سرہند تشریف لائے- آپ نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۰۳۴ھ میں وفات پائی اور سرہند میں مدفون ہو کر اس سرزمین کو شرف بخشا-

شیخ نور الحق رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۹۸۳ھ   وفات ۱۰۷۳ھ

شیخ عبدالحقؒ کے کمالات ظاہری و باطنی کی وراثت اور علم حدیث کی خدمت آپ کے بیٹے شیخ نور الحق صاحب کو ملی چنانچہ انہوں نے بھی اپنے والد ماجد سے کمالات صوری و معنوی کے ساتھ علم حدیث کو بھی مکمل کیا اور صحیح بخاری کی شرح فارسی تیسیر القاری لکھنی شروع کی- خاکسار نے اس کا ایک قلمی نسخہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں جو ۱۳۲۱ھ تک باب الصفا کے پاس ایک کمرہ میں تھا- دیکھا- اور اس سے فائدہ اٹھایا- طریق بیان شستہ و دلچسپ ہے- شیخ مرحوم نے نوے سال کی عمر میں ۱۰۷۳ھ میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کی-

مدت العمر آپ تدریس علم حدیث کی خدمت بجالاتے رہے- آپ کے فیوض و برکات کا کچھ ذکر آئندہ سید مبارک بلگرامی کے ذکر میں دیکھئے- رحمہما اللہ و ایانا و افاض علینا من برکاتہما-

سید مبارک محدث بلگرامی رحمہ اللہ

ولادت ۱۰۳۳ھ   وفات ۱۱۱۵ھ

اس مبارک ہستی کا ترجمہ کسی قدر تفصیل سے میر غلام علی صاحب آزاد بلگرامیؒ نے لکھا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے-

صحیح الاصول والفروع تھے اور احیائے سنت اور ازالہ بدعت کا نقارہ بجاتے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ اور تقوی و طہارت میں ممتاز زمانہ تھے۔ چھ ماہ شعبان مکرم ۱۰۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ شروع جوانی میں تحصیل علوم میں لگ گئے اور ابتدا سے انتہا تک علوم نہایت پختگی سے حاصل کئے۔ ابتدائی تعلیم میر سید طیب بن میر عبدالواحد قدس اسرار ہما اور دیگر فضلائے بلگرام اور اس کے اطراف کے علما سے حاصل کی اور ۱۰۶۱ھ میں تکمیل علوم کے لئے دہلی میں تشریف لے گئے اور خواجہ باقی باللہ صاحب[1] (رحمۃ اللہ علیہ) کے فرزند خرد خواجہ عبداللہ صاحب المشہور بخواجہ خرد (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں پہنچ کر کتاب مطلوب پڑھی اور زمانہ اقامت دہلی میں شیخ نور الحق صاحب بن شیخ عبدالحق صاحب (رحمۃ اللہ علیہما) کے مکان پر سکونت پذیر رہے۔ اور ان سے علم حدیث حاصل کر کے اس فن اشرف میں مہارت عالی حاصل کی اور اپنی تمام عمر اسی فن مبارک کی خدمت میں ختم کر دی۔ حتی کہ آپ لقب محدث سے مشہور ہو گئے۔ حسان الہند حضرت میر علی صاحب آزاد بلگرامی ماثر الکرام میں ان کے ترجمہ میں فرماتے ہیں لہذا ہم نے ان کو اس کتاب میں قطب المحدثین سے یاد کیا ہے[2] آپ نے شیخ نور الحق صاحبؒ سے ۱۰۶۴ھ میں تحصیل علوم سے فراغت پائی اور ۱۰۶۷ھ میں دہلی میں میر سید عبدالفتاح عسکری احمد آبادی قدس سرہ کے دست حق پرست پر سلسلہ علیہ قادریہ کی بیعت کی۔ ان سب فیوض ظاہری و باطنی سے دامن بھر کر اپنے وطن بلگرام کی طرف لوٹے اور مسند توکل و قناعت کو زینت دی اور باقی عمر یاد الٰہی اور ریاضت اور تدریس علوم خصوصاً علم حدیث شریف میں گزار کر ۱۱۱۵ھ میں رحلت فرمائی۔

[1] حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب قدس سرہ دہلی کے مشہور اولیاء اللہ سے ہوئے ہیں۔ آپ مرشد تھے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے۔ حضرت خواجہ مرحوم کی وفات کے وقت دو حرموں سے آپ کے دو شیر خوار فرزند تھے جن کے لئے آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ کو تعلیم و تربیت کی وصیت کی تھی۔ فرزند اکبر کو خواجہ کلاں اور فرزند اصغر کو خواجہ خرد کہتے تھے ماثر الکلم صفحہ ۱۰۰۔

[2] ماثر الکرام صفحہ ۹۵۔

جذبہ اتباع شریعت:- اتباع شریعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ آپ کے خمیر میں تھا۔ کسی کی کیا مجال کہ آپ کے حضور میں جادہ شرع سے باہر قدم رکھے۔ آپ کے کئی فرزند آپ کی زندگی ہی میں قضا کر گئے۔ کسی کے ماتم پر بھی خلاف شرع رسوم کا ارتکاب نہ ہو سکا۔ میر صاحب ممدوح نہایت لطیف طبع اور نکتہ سنج اور لطیفہ گو تھے۔ باجود اس کے اتنی ہیبت اور رعب تھا کہ آپ کے سامنے لوگوں کے پتے[1] پانی ہو ہو جاتے تھے۔

(ا) ایک روز غیرت خاں حاکم لکھنؤ حضور کی زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوا۔ خاں صاحب موصوف کا پاجامہ چوڑی دار تھا۔ جو حد شرع سے متجاوز تھا ٹخنوں سے نیچے تھا۔ میر صاحب نے اعتراض کیا۔ غیرت خاں صاحب کی مجال نہ تھی کہ کچھ عذر کر سکیں فوراً اپنے ہاتھ سے حد شرع سے زائد پائنچہ کاٹ ڈالا۔

عادات: آپ نہایت سادگی۔ بے نفسی اور توکل سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اپنی حاجت کسی دوسرے پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ استاد المحققین میر طفیل محمد بلگرامی (آپ کے شاگرد) فرماتے تھے۔ میں ایک روز میر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ وضو کی تیاری کے لئے اٹھے ہی تھے کہ ناگاہ زمین پر گر پڑے۔ میں جلدی سے دوڑ کر پاس گیا۔ ایک ساعت کے بعد افاقہ ہو گیا۔ میں نے اس کا سبب دریافت کرنے کی جرات کی۔ بہت اصرار کرنے کے بعد فرمایا "تین روز ہو گئے ہیں کہ غذا کی جنس سے کوئی چیز میسر نہیں آیا اور ان تین روز میں نہ تو یہ بات کسی پر ظاہر کی اور نہ کسی سے قرض مانگا۔" میرے دل میں رقت آ گئی اور میں فوراً اپنے مکان کی طرف دوڑا اور شیریں طعام جو حضرت کو مرغوب تھا۔ تیار کرا کے حاضر خدمت کیا۔ اول تو آپ بہت خوش ہوئے اور مجھے دعائیں دینے لگے۔ لیکن بعد ازاں فرمانے لگے ایک بات کہتا ہوں بشرطیکہ تم کو گراں نہ گزرے۔ میں نے عرض کیا فرمائیے۔! فرمانے لگے فقراء کی اصطلاح میں اس

[1] ہر جانور کے پیٹ میں جگر کے ساتھ ایک تھیلی ہوتی ہے جس میں سبز رنگ کا پانی جو مزا میں سخت کڑوا اور تاثیر میں زہرناک ہوتا ہے اسے پتہ کہتے ہیں۔

کو طعام اشراف[1] کہتے ہیں-ہر چند کہ فقہاء کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اور شریعت میں بعد تین روز (کے فاقہ) کے مردار بھی حلال ہے لیکن فقراء کے طریقہ میں طعام اشراف جائز نہیں ہے-میں نے جب یہ بات سنی تو بلا چون وچرا اٹھ کھڑا ہوا اور طعام اٹھا کر لے کر دروازہ کے باہر آگیا-کچھ دیر توقف کر کے وہ طعام لئے ہوئے پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ جب بندہ طعام اٹھا کر لے گیا تھا-تو کیا حضرت کو توقع تھی کہ میں یہ طعام پھر واپس لاؤں گا؟ آپ نے فرمایا نہیں-میں نے عرض کیا کہ اب جب کہ یہ طعام بندہ حضرت کی توقع کے بغیر لایا ہے تو یہ طعام اشراف نہ رہا-حضرت میر صاحب میری اس توجیہ پر بہت محظوظ ہوئے-اور فرمانے لگے تو نے عجب فراست کی ہے پھر آپ نے وہ طعام برغبت تمام تناول فرمالیا-

(۲) نیز استاد المحققین فرماتے تھے کہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر (انار اللہ برہانہ) کی پیش گاہ سے علامہ مرحوم میر عبدالجلیل بلگرامی[2] کی تعیناتی بخشی گیری اور وقائع نگاری کی خدمت پر گجرات شاہ دولہ[3] (پنجاب) میں ہوئی-تو آپ دکن سے بلگرام میں تشریف

---

[1] اشراف-نفس کے جھکاؤ کو کہتے ہیں-اہل طریقت بزرگ دنیا کے لذائذ کو نفس کے جھکاوے استعمال نہیں کرتے بلکہ بغیر اس کے جو کچھ میسر آوے اس کو نعمت الٰہی سمجھ کر استعمال کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں-نفس کے جھکاؤ کے سوا حاصل شدہ کو قبول کرنا اہل طریقت نے اس حدیث سے لیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو کچھ عطا کیا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا اعطه افقرمني حضور یہ مال کسی زیادہ حاجتمند کو عطا کیجئے-اس پر آنحضرت نے فرمایا ما اعطيت من غير اشراف نفس الخ یعنی جو کچھ تجھ کو نفس کے جھکاؤ کے سوا دیا جائے اس کو لے لے-پھر اسے خود صرف کر یا صدقہ کر دے تیرا اختیار ہے (صحیح بخاری ملخصاً) حضرت میر صاحب نے جب اپنا فاقہ اپنے شاگرد استاد المحققین کے پاس ذکر کر دیا اور وہ فوراً طعام لذیذ تیار کرا کے لے آئے تو اس میں آپ کے خیال میں اشراف نفس پایا گیا-اس لئے اس کے کھانے سے پرہیز کی-استاد المحققین صاحب علم و معرفت تھے سمجھ گئے اور باہر جا کر کچھ دیر توقف کر کے وہی کھانا واپس لائے تو اس میں حضرت میر صاحب کا اشراف نفس نہ تھا اس لئے تناول فرمالیا-سبحان اللہ-

[2] میر عبدالجلیل مرحوم حسان الہند میر غلام علی آزاد مصنف ماثر الکرام کے نانا تھے-آپ بھی استاد المحققین کی طرح میر مبارک صاحب کے شاگرد تھے (ان کا ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا)

[3] حضرت شاہ دولہ ایک فقیر ہوئے ہیں-ان کا مقبرہ شہر گجرات پنجاب کے مشرقی دروازہ کے باہر زیارت گاہ ہے-شہر سیالکوٹ میں ندی پر جو پل ہے وہ بھی اور عید گاہ کلاں بھی انہی فقیر صاحب کی یادگار ہے-

لائے اور بلگرام سے گجرات کا قصد کیا-علامہ مرحوم نے مجھے ساتھ چلنے کے لئے فرمایا-میں نے قبول کر لیا تو میں نے میر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ارادہ سفر عرض کیا-میر صاحب موصوف نے فرمایا میری عمر اخیر کو پہنچ چکی ہے-میں چاہتا ہوں تم اس وقت مجھ سے جدا نہ ہو اور میرے جنازے میں حاضر ہو-میں سوچ میں پڑ گیا کہ میر عبدالجلیل صاحب کی رفاقت بھی ضروری ہے-اتنے میں حضرت صاحب نے مراقبہ کیا-دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا "جاؤ" امید ہے کہ ایک دفعہ پھر بھی ملاقات ہو گی-چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس سال حضرت میر صاحب کی وفات ہونی والی تھی-میر عبدالجلیل صاحب کو ایک ضروری کام آپڑا-جس کے لئے انہوں نے مجھے (استاد المحققین) کو بلگرام میں بھیجا-میرے یہاں آنے کے تھوڑی مدت بعد حضرت میر صاحب کا انتقال ہو گیا اور آپ نے نماز جنازہ کی امامت کے لئے میرے حق میں وصیت کی-

سنہ وفات: آپ کا انتقال مبارک بروز دو شنبہ بتاریخ بیس ماہ ربیع الاول ۱۱۱۵ھ ہوا-میر عبدالجلیل مرحوم بلگرامی نے تاریخ وفات یوں لکھی-

مقدس گہر میر سید مبارک
چو فرمود در بحر رحلت شناہ
پے رحلت آں مطہر سرشت
خرد گفت تاریخ رضواں پناہ

شیخ نورالدین احمد آبادی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت ۱۰۶۴ھ وفات ۱۱۵۵ھ

باپ کا نام محمد صالح ہے-احمد آباد (گجرات) میں ۱۰۶۴ھ میں پیدا ہوئے-ملا احمد سلیمانی اور ملا فرید الدین احمد آبادی سے تحصیل علوم کی اور سر آمد روزگار ہو گئے ۱۱۴۳ھ میں مشرف زیارت حرمین شریفین (حرسہا اللہ) حاصل کیا[1]-

مختلف فنون میں مفید کتابیں لکھیں جن کی تعداد کوئی ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے-تفسیر قرآن مجید اور شرح صحیح بخاری بھی لکھی جس کا نام نور القاری ہے-آپ صوفیانہ

مذاق رکھتے تھے- چنانچہ حضرت محبوب عالم صاحب احمد آبادی سے بیعت و خلافت خانوادہا حاصل کی- ابتدائے عمر سے آخر تک تدریس و تصنیف میں وقت بسر کیا اور ۱۱۵۵ھ میں اکانوے (۹۱) برس کی عمر میں رحلت کی عامله الله برحمة الواسعة

صاحب کمالات صوری و معنوی ماہر علوم ظاہر و باطنی علامہ نبیل فاضل نامی و گرامی میر عبدالجلیل بلگرامی رحمہ اللہ

ولادت ۱۰۷۱ھ   وفات ۱۱۳۸ھ

سید مبارک محدثؒ کے ذکر میں گذر چکا ہے کہ میر عبدالجلیل صاحب بلگرامیؒ میر غلام علی آزاد بلگرامیؒ کے نانا اور سید مبارک کے شاگرد رشید اور استاد المحققین میر طفیل محمد صاحب بلگرامی کے ہم درس ہیں- اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ آپ خلد مکان حضرت محی الدین اورنگ زیبؒ کے وقت میں مختلف ممتاز عہدوں پر مامور رہ چکے ہیں- بالخصوص گجرات پنجاب میں چار سال تک عہدہ وقائع نویسی و بخشیگری پر گذار چکے ہیں- باقی حالات علمی و عملی سطور ذیل میں ملاحظہ فرمائیں- وباللہ التوفیق-

۲- ان کے کمالات کی وجہ سے کئی مہینوں تک اس عاجز کا قلم رکا رہا کیونکہ آپ کے کمالات ظاہری و باطنی اور مختلف علوم عربیہ میں آپ کے تبحر کی وجہ سے دل و دماغ پر حیرت افزا اثر تھا- آخر اس خیال سے کہ قلم فرسائی سکون سے اور لب کشائی سکوت سے بہتر ہے اپنے عجز و ناتوانی کا اقرار کرتے ہوئے سطور ذیل سے آں برگزیدہ انفس و آفاق کا تعارف اپنے ناظرین کو کراتا ہوں- واللہ ولی التوفیق-

نسب و ولادت: آپ خاندان سادات بلگرام کے روشن چراغ ہیں- جن کی ذات گرامی صفات سے بلگرام کو چار چاند لگ گئے- آپ کے والد ماجد کا نام سید امیر احمد ہے جو جامع کمالات صوری و معنوی تھے-

ولادت: آپ نے بتاریخ ۱۳ شوال ۱۰۷۱ھ اپنے نور ولادت سے خطہ بلگرام کو منور کیا- درسیات کی ابتدائی کتابیں استاد المحققین کے ہمراہ سید سعد اللہ بلگرامیؒ کی خدمت

میں پڑھیں- پھر بلاد پورب کا قصد کیا اور درمیانی کتابیں متفرق مقامات کے ماہرین فن استادوں سے پڑھیں- آخر لکھنؤ میں شیخ غلام نقشبند صاحب کی خدمت میں پہنچے اور انتہائی کتابیں ان سے حاصل کر کے تکمیل تحصیل کی-

پھر وطن مالوف کو لوٹے اور فن حدیث کی سند قطب المحدثین سید مبارک محدث بلگرامی سے حاصل کی- ہر فن عقلی و نقلی میں صاحب کمال تھے- خصوصاً علم حدیث و تفسیر و لغت و فنون، عربیت و تاریخ و موسیقی میں مہارت تامہ رکھتے تھے- حافظہ بہت قوی تھا- چنانچہ کتاب قاموس اللغة اول سے آخر تک برزبان یاد تھی- اور احادیث نبویہ اور اسماء الرجال اور اسفار و امثال عرب اور واقعات تاریخیہ اس قدر متحضر تھے کہ بقول حسان الہندؒ فکر کا محاسب ان کے شمار سے عاجز ہے- اور جامعیت علوم کا یہ عالم تھا کہ زمانہ کہن سال کی آنکھ نے ایسا صاحب کمال کم دیکھا ہوگا-

جب آپ کی ملاقات سید علی معصوم مدنی مصنف "سلافة العصر" سے اورنگ آباد (دکن) میں ہوئی اور صاحب موصوف نے آپ کے کمالات علمیہ معلوم کئے تو کہا کہ میں نے ساری عمر میں سید عبدالجلیل جیسا جامع العلوم شخص نہیں دیکھا-

شیخ غلام نقشبند آپ کے استاد ہمیشہ آپ کی تعریف و توصیف کرتے تھے- آپ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی چار زبانوں کے بے مثل شاعر تھے- کسی زبان میں بھی ایسی کمی نہیں تھی کہ اس کے مقابلہ میں دوسری زبان کی مہارت کو فوقیت دی جا سکے-

خوش خطی: آپ کے نواسہ حسان الہند میر غلام علی آزاد بلگرامی ماثر الکرام دفتر اول میں آپ کے حالات میں آپ کے رسم الخط کے متعلق تحریر فرماتے ہیں-

"آپ کی پسندیدہ مبارک عادت تھی کہ جب آپ کتابت کا ارادہ کرتے تو پہلے بسم اللہ، الحمد للہ اور درود شریف کاغذ پر لکھ لیتے اور اس کے بعد مطلوبہ کتابت کرتے اور اخیر عمر تک اس عمل پر قائم رہے آپ نے ایک بہت بڑا کتب خانہ منجملہ اپنے باقیات صالحات کے چھوڑا ہے- اس میں اکثر کتابوں کا اپنے دست خاص سے مقابلہ اور اصلاح کی ہے- اور بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھی ہیں- شروع میں آپ نہایت عمدہ

شیریں خط □ لکھا کرتے تھے-اس کے بعد آپ نے اپنی ایک نئی طرز ایجاد کی جو نہایت شیریں ودلنشیں ونظر افروز تھی- آپ کو کتابت کا اس قدر شوق تھا کہ بھکر میں اقامت کے آخری ایام میں صحیح بخاری کی کتابت کر رہے تھے اور اس کی تصحیح ومقابلہ کر رہے تھے-جب آپ کی ملازمت سے علیحدگی کی اطلاع آئی تو واپسی پر بھکر کے قریب موضع نوشہرہ میں مقام کیا اور وہاں صحیح بخاری کی کتابت اور تصحیح ومقابلہ کے لئے چھ ماہ تک قیام کرنا پڑا اور چونکہ آپ کے ساتھ اور بہت سے اشخاص ہمرکاب تھے اس لئے ہزاروں روپیہ خرچ کرنا پڑا- صحیح بخاری کا وہ نسخہ متبرکہ اب آپ کے کتب خانہ میں موجود ہے-"

وصال: اس کے بعد آپ دہلی پہنچے اور وہیں شنبہ کی شب ۲۳ ربیع الاول ۱۱۳۸ھ میں آپ کا وصال ہوا- نعش مبارک کو حسب وصیت خود دارالسلام بلگرام میں لایا گیا- جہاں آپ کو ۶ جمادی الاولی کو بوقت عصر اپنے والد بزرگوار جناب امیر احمد مرحوم کے قدموں میں سپرد خاک کیا گیا-

آپ کی ایک کرامت یہ بھی تھی کہ باوجود اس کے کہ تابوت کو دہلی سے بلگرام لے جانے میں چودہ دن لگے اور گرمی کا موسم تھا مگر آپ کا جسم مبارک بالکل صحیح وسالم تھا- کسی عضو میں کوئی بھی تغیر نہیں ہوا تھا-جسد مطہر تازہ میت کی طرح تابوت سے چارپائی پر رکھا گیا اور آپ کے ہم درس استاد المحققین میر طفیل محمد صاحب بلگرامی نے اپنے ہاتھوں آپ کو قبر میں اتارا-

راقم الحروف (غلام علی آزاد بلگرامی) نے آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے-

"اولئك لهم عقبى الدار – جنت عدن"

اور نیز آیہ کریمہ

"للذين احسنوا لحسنى و زيادة" (۱۱۳۸ھ) رحمه الله ملخصاً و مترجماً.

از مآثر الکرام دفتر اول صفحہ ۲۶۵ و صفحہ ۲۶۶

حاجی محمد افضلؒ صاحب سیالکوٹی

افسوس ہم کو اس پاک ومبارک وجود کے حالات مفصل نہیں ملے-جن کے نام نامی سے ہم (سیالکوٹی) فخر کر سکتے ہیں-جو کچھ ملتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور جناب مرزا مظہر جانجاناں (علیہما رحمۃ) کے حالات میں تبعاً ملتا ہے کہ ان ہر دو بزرگواروں نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا[1] اور آپ نے شیخ عبداللہ بن سالم بصری مکیؒ سے اور اسی نسبت سے ہم نے آپ کے ذکر خیر سے اپنی اس کتاب کو زیب دینا چاہا ہے-حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور جناب مرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ ایسے لوگوں کا آپ کے سلسلہ تلمذ میں ہونا آپ کی افضلیت اور اسم بامسمی ہونے کی بین دلیل ہے-

حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کی بغایت تعریف کرتے ہیں چنانچہ مقامات مظہریہ میں فرماتے ہیں-

ایشاں از علمائے متبحر و فضلائے دانشور نداز اسرار معارف علوم باطن خطے و افرد ارند طریقه از حجته الله نقشبند فرزند و خلیفه حضرت ایشان محمد معصوم رحمة الله علیهما گرفته تاده سال استفاده فیوض باطن نمودند و تاد وازده سال از حضرت شیخ عبدالاحد فرزند و خلیفه خازن الرحمة شیخ محمد سعید فرزند سجاده نشین حضرت مجدد رحمة الله علیهم مشرف گردیده بمقامات عالیه رسیده اندوتهصیل علوم معقول و منقول

[1] چنانچہ حضرت شاہ صاحب اپنی کتاب القول الجمیل کے اخیر پر اپنی سند علم حدیث کے ذکر میں فرماتے ہیں-واجازنی مشکوٰۃ المصابیح و صحیح البخاری وغیرہ من الصحاح الست الثقة الثبت حاجی محمد افضل عن الشیخ عبدالاحد عن ابیه الشیخ محمد سعید عن جده شیخ الطریقة الشیخ احمد السهرندی بسنده الطویل المذکور فی مقاماته ترجمہ: اور مجھ کو اجازت دی مشکوٰۃ المصابیح اور صحیح بخاری وغیرہ صحاح ستہ کی معتمد ثابت القول حاجی محمد افضل نے شیخ عبدالاحد سے انہوں نے اپنے والد شیخ محمد سعید سے انہوں نے اپنے دادا شیخ طریقت شیخ احمد سرھندی سے ان کی سند طویل مذکور ہے-ان کے مقامات اور تصانیف میں-

و اسناد علم حدیث از ایشان نمودہ از شیخ سالم بصری ثم المکی علم حدیث نیز سند دارند (مقامات مظہریہ صفحہ ۹)

اوراسی کتاب میں دوسری جگہ حضرت جناب مرزاصاحب کی زبانی نقل فرماتے ہیں۔

پس بخدمت حضرت حاجی محمد افضل التماس توجہات نمودیم- فرمودند شما علی البصیرت سلوک کردہ ایدو کشف مقامات دارید و مارا چندان کشف و علم مقامات نیست استفادہ باحسن وجوہ نتو اند شد- حضرت ایشان (مرزا صاحب) میفرمودند- اگرچہ از آنحضرت (حاجی صاحب ممدوح) درظاہر استفادہ کردہ نشد- لیکن درضمن سبق حدیث فیوض از باطن شریف ایشاں رادر ذکر حدیث در نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم استغراق دست می داد و انوار و برکات بسیار ظاہر مے شد گویا در معنی صحبت پیغبر خدا صلی اللہ علیہ و سلم حاصل می شد و دریں اثنا توجہ و التفات نبوی صلی اللہ علیہ و سلم مشہود می گشت و نسبت کمالات نبوت درغائب وسعت و کثرت انوار جلوہ گرمی شودو معنی حدیث شریف العلماء ورثۃ الانبیاء علیہم السلام واضح می شد- ایشان شیخ الحدیث واز روئے صحبت پیر فقیر اند فوائد بسیار در ظاہر و باطن تا بست سال از خدمت ایشاں حاصل نمودہ ایم-

(مقامات مظہریہ صفحہ ۲۲وصفحہ ۲۳)

حضرت مرزامظہر جانجاناں شہید

ولادت رمضان شریف ۱۱۱۰ھ وفات ۱۱۹۵ھ

آپ کا سلسلہ نسب ۲۸واسطوں سے حضرت علی کے بیٹے امام محمد بن حنفیہ سے جا ملتاہے- آپ کانام شمس الدین حبیب اللہ ہے اور آپ کے والدماجد کانام میر زاجان تھا-

اسی وجہ سے مرزا آپ کے نام کاجزوبن گیاہواہے-

حسان ہند میر غلام علی صاحب آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب "سرو آزاد" میں درج کرنے کے لئے مرزاصاحب موصوف سے آپ کے حالات دریافت کئے-اس پر آپ نے اپنے جو حالات خود تحریر فرمائے-ان کااردو ترجمہ بہ طور اختصار حسب ذیل ہے-

"جان جاناں نام- مظہر تخلص- پسر میرزا جان- جانی تخلص- علوی نسب ہندی مولد- حنفی مذہب اور نقشبندی مشرب- پیدائش ۱۱۱۰ھ ظاہری نشوونمااکبر آباد (آگرہ) میں ہوئی اور باطنی تربیت شاہجہان آباد (دہلی) میں حضرت سید محمد بدایونی نقشبندی سے حاصل کی- میرانسب ۲۸واسطوں سے حضرت محمد بن حنفیہؓ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتاہے-

میرے جداعلی امیر کمال الدین نویں صدی ہجری کے شروع میں طائف کے علاقہ سے آکر ترکستان میں مقیم ہوئے اور عرصہ دراز تک ان علاقوں میں فرمانروائی کی-ان کی اولاد بہت سی تھی جن میں سے امیر مجنون اورامیر باباہیں جوہمایوں بادشاہ کے ہندوستان کے فتح کرنے کے موقع پراس ملک (ہند) میں واردہوئے-اس کے بعد سلاطین گورگانیہ کی خدمت اوررفاقت اس خاندان کاشعار رہا-

میرزاجان مذکور نے جوامیر بابا سے چھٹے مرتبہ پر اور امیر کمال الدین مذکور سے بارہویں مرتبہ پر تھے عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں ایک عالی منصب سے ترک دنیا کی- بچپن سے ہی اس خاکسار کو مال و جاہ کی خواہش نہیں تھی- ضروریات کو حاصل کرنے کے بعد یہ فقیر از خود رفتگان کے دامن سے وابستہ ہوا-اس امید پر کہ دوسرے جہان کے حالات سے واقفیت حاصل کرے-جب سے ان کے دروازے پر قدم رکھاہے دماغ ضعیف ہوگیاہے اور تدبیر کے اسباب کی طاقت نہیں رہی- خلوت نشینی اختیار کرلی ہے-اور کبھی کمینوں

کے دستر خوان سے روٹی نہیں کھائی۔[1]

اتباع سنت کا شوق آپ کی طبیعت میں مرکوز تھا- چنانچہ حضرت شاہ غلام علی صاحب اپنی کتاب مقامات مظہری کے صفحہ ۱۶ پر آپ سے نقل کرتے ہیں-

اللہ تعالیٰ نے میری طبیعت نہایت اعتدال والی بنائی ہے اور میری طینت میں سنت نبوی ﷺ کی پیروی کی رغبت ودیعت کی ہوئی ہے (انتہی مترجما)

چنانچہ شیخ شیخنا نواب صاحب مرحوم اپنی کتاب ابجد العلوم میں بہ ضمن ذکر حضرت مجدد صاحب مرحوم فرماتے ہیں-

آپ کے متاخرین بزرگ فیض یابوں میں سے شیخ شمس الدین علوی المعروف مرزا مظہر جانجاناں ہیں- جو امام محمد بن حنفیہ کی اولاد سے تھے- آپ بہت سے فضائل کے مالک تھے- فن حدیث آپ نے حاجی (محمد افضل) صاحب سیالکوٹی سے حاصل کیا- اور مجددی طریقہ اپنے وقت کے اکابر طریقہ مجددیہ سے- اتباع سنت اور قوت کشفیہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا- آپ کے شعر بہت انوکھے اور آپ کے مکتوبات[2] بہت مفید ہیں- آپ تشہد میں مسجد سے اشارہ کے قائل تھے[3] اور (نماز میں) اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر سینے کے نیچے باندھتے تھے اور قرات فاتحہ خلف الامام کی تقویت کے قائل تھے-

آپ کا سن وفات ہے عاش حمید امات شہیدا (۱۱۹۵)

[1] دفتر ثانی ماثر الکرام موسوم بہ سرو آزاد صفحہ ۲۳۲

[2] آپ کے مکتوبات کتاب کلمات طیبات میں ہمراہ مکتوبات حضرت غوث الثقلینؒ و مکاتیب قاضی ثناء اللہ پانی پتی و مکاتیب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں-

[3] مکتوبات حضرت مرزا مظہر جانجاناں در کلمات طیبات- مکتوبات پانزدہم صفحہ ۲۷ و ۲۸

امام الہند حکیم الامتہ بقیتہ السلف حجتہ الخلف

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ

ولادت ۱۱۱۰ھ وفات ۱۱۷۶ھ

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

مجھ ایسے نابکار کا آپ کی تعریف و توصیف میں کچھ لکھنا آپ کی شان میں گستاخی ہے کیونکہ ہندوستان بھر میں شہر بشہر اور کوچہ بکوچہ اور خانہ بخانہ جس قدر علم و عمل بالحدیث کا غلغلہ ہے- اور اتباع سنت کا جتنا جوش طبائع میں موجزن ہے وہ سب کچھ آپ ہی کی برکت و فیض کا ثمرہ ہے۔

بلبل کو شوق گل تھا نہ قمری کو عشق سرو
یہ سارے گل کھلائے ہوئے باغباں کے ہیں

لہذا میرے لکھنے میں اس سے زیادہ نہیں ہوگا- جو آپ کی نسبت لوگوں کے سینوں میں ساری اور ان کی زبانوں پر جاری ہے-

آپؒ ۱۱۱۴ھ میں طلوع آفتاب کے ساتھ ہی دار الخلافہ دہلی میں پیدا ہوئے گویا خلق بر حق نے عالم جسمانی و عالم روحانی ہر دو کے آفتابوں کو اکٹھا ظاہر کیا- اور ظلمت ظاہری و باطنی کا پردہ چاک کر دیا- آپ کا سلسلہ نسب تیس واسطوں سے حضرت فاروق اعظمؓ تک پہنچتا ہے- تاریخی نام عظیم الدین ہے- جو آپ کو ہر طرح پھبتا ہے-

آپ کے حالات میں مستقل تصانیف ہیں- سب کی جامع حیات ولی ہے میرے خیال میں ہندوستان میں اس قدر تفصیل و جامعیت کے ساتھ کسی دیگر عالم کے حالات نہیں لکھے گئے اور نہ اتنی کثرت سے کسی اور کی نسبت تصانیف لکھی گئیں-

آپ نے اپنے حالات میں خود بھی ایک رسالہ لکھا ہے- اس میں فرماتے ہیں کہ جب میری عمر چار سال چار مہینے اور کئی دن کی ہوئی' تو خاندانی رواج کے مطابق مکتب میں نشست ہوئی- ساتویں سال کے اخیر میں قرآن شریف حفظ کر لیا- اور فارسی کی

پڑھائی شروع کی - دسویں سال شرح ملا تک پڑھے - پندرہویں سال اس ملک کے رواج کے مطابق علوم متعارفہ سے فراغت پائی - البتہ فن حدیث جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا کیا تھا - ابھی نامکمل تھا - آپ کی کتاب ازالۃ الخفاء کی لوح کے اندر کے صفحے پر لکھا ہے -

"باز اجازت عامہ روایت حدیث از مولانا محمد افضل معروف بجا جی سیالکوٹی گرفتند - و بریں ہم قانع نگر دیدہ در مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوۃ و السلام تشریف برد ند و تجدید اجازت از عمدہ شیوخ خود ابو طاہر بن ابراہیم الکردی المدنی نمودند -"

لیکن ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ جناب حاجی صاحب موصوف سے اجازت روایت حدیث لینے کا زمانہ کون سا ہے - القول الجمیل میں آپ خود فرماتے ہیں -

"جب آپ کی عمر سترہ سال کی ہوئی تو آپ کے والد ماجد شیخ عبدالرحیمؒ بیمار ہوئے - شیخ صاحب اپنے زمانہ میں فضیلت علمی کے ساتھ ایک مقدس بزرگ مانے جاتے تھے - یعنی عالم شریعت بھی تھے - اور پیر طریقت بھی[1]"

ایام بیماری میں آپ کو بیعت وارشاد کی بھی اجازت دی اور کلمہ یدہ کیدی بتکرار کہا - اس کے بعد بارہ برس یا زیادہ تک کتب دینیہ و عقلیہ کی تدریس میں لگے رہے اور مذاہب اربعہ کی کتب اور ان کی فقاہت کے اصول اور ان احادیث کو جو ان کی دستاویز ہیں ملاحظہ کرنے کے بعد نور غیبی کی مدد سے آپ کے دل کا قرار فقہائے محدثین کی روش پر ہوا - چنانچہ خود جناب شاہ صاحب اپنے ایک رسالہ الجزء اللطیف نام میں ارقام فرماتے ہیں -

[1] اسی لئے آپ کے خاندان کو شاہ صاحب کے لقب سے پکارتے ہیں - کیونکہ ہندوستان میں پیروں اور بزرگان طریقت کو شاہ صاحب کہتے ہیں - ورنہ آپ سید نہیں تھے بلکہ شیخ فاروقی تھے - پنجاب میں شاہ صاحب سیدوں کو کہتے ہیں پس ہر دو ملک کے اختلاف عرف کا لحاظ چاہئے -

بعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ و اصول فقہ ایشاں و احادیثے کہ متمسک ایشاں ست قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روش فقہائے محدثین افتاد (الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ملحقہ برسالہ انفاس العارفین - مطبوعہ مطبع احمدی دہلی صفحہ ۱۹۵)

اور اپنے تعلیم کی بابت انفاس العارفین میں فرماتے ہیں -

حضرت[1] ایشا درخلوت و جلوت بسیار می بود کہ باین فقیر ملتفت می شدند و تلطف سن نمود ندو در ابتہاج و اہتزاز می شدندو می فرمودندکہ در دل من بے اختیار خطور میکند کہ بیک دمہ ہمہ علوم درسینہ تو اندازم و باز بعد چندے جوشے می زدند و بہمیں کلمہ متکلم می شد ند و ہلم جزا اثر انفاس مبارک ایشاں ظاہر گشت والا ایں فقیر چنداں محنت تحصیل نکشیدہ (صفحہ ۶۳)

تذییل: حضرت شاہ صاحب کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب علوم شریعت میں کامل ہونے کے علاوہ طریقت و باطن میں بھی صاحب کمالات تھے - اور صاحب کرامت اولیاء اللہ میں تھے اور حضرت شاہ صاحب نے ان کی قلبی کیفیت و توجہ کا جو ذکر اوپر کی عبارت میں کیا ہے فیوض رحمانیہ کے نزول کے وقت ایسے حضرات کے قلوب صافیہ پر ایسے کوائف گزرا کرتے ہیں اور ان کا انعکاس قابل و مستعد طبیعتوں پر پڑ کر ان کو منور کر دیتا ہے - آنحضرت ﷺ کو عطاء نبوت کے وقت غار حرا میں جو حضرت جبریل علیہ السلام نے تین دفعہ سینے سے لگا کر زور سے بھینچا تھا وہ یہی کیفت تھی - الحمد للہ کہ اس سیاہ کار پر بھی حضرات اساتذہ جناب مولانا عبدالمنان صاحب مرحوم محدث وزیر آبادی اور جناب مولانا عبیداللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹی کی توجہ اور جذب نے یہی کیفیت طاری کر دی تھی ورنہ اس عاجز کو بھی تحصیل علم میں دماغ سوزی اور محنت کشی کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی - اللھم لک الحمد حمدا کثیرا طیبا

[1] شاہ صاحب کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ - ۱۲

مبارکا فیه- اللهم زینتی بالعمل کما کرمتنی بالعلم و جملنی بالتقوی کما احسنت علی بنور الفهم-

رجوع بمطلب: اس کے بعد حضرت شاہ صاحب اپنے والد ماجد کے طریق عمل کی نسبت فرماتے ہیں مخفی نماند کہ حضرت ایشاں در اکثر امور موافق مذہب حنفی عمل میکردند الا بعض چیزہا کہ حسب حدیث یا وجدان بمذہب دیگر ترجیح می یافتند از انجملہ آنست کہ در اقتداء سورہ فاتحہ می خواندند و در جنازہ نیز (صفحہ ۶۹)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب بھی اہل حدیث تھے اور حدیث نبوی پر عمل کرنے میں ان کے رستے میں کسی معین مذہب کی رکاوٹ ہرگز نہ تھی اور اسی کا نام ترک تقلید ہے جس پر اہل حدیث سے نزاع کی جاتی ہے-

۲- حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے پیشتر اس ملک میں علم حدیث کی بنیاد تو پڑ چکی تھی لیکن تقلید کے عام رواج کی وجہ سے عمل بالحدیث کی بحثیں لکھیں- حجۃ اللہ میں کئی ایک ابواب اور الانصاف و عقد الجید خاص کتابیں اسی امر کے لئے تحریر کیں- نیز مؤطا امام مالکؒ کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا جو کتب حدیث کی ماں کہلانے کی مستحق ہے جس سے لوگوں میں علم و عمل ہر دو کا شوق پیدا ہو گیا- اس میں جا بجا محدثین کی تعریف ہے اور ان کے مذہب کو ترجیح دی ہے- چنانچہ مصفے ترجمہ مؤطا کے دیباچے میں فرماتے ہیں-

باید دانست که سلف در استنباط مسائل و فتاوی بر دو وجه بودند یکے آنکه قرآن و حدیث و آثار صحابه جمع میکردند از انجا استنباط مینمودند وایں طریقه اصل راه محدثین است و دیگر آنکه قواعد کلیه که جمعے از ائمه تنقیح و تهذیب آں کرده اندیا دگیرند بے ملاحظه ماخذ آنها- پس هر مسئله که واردمی شد جواب آں از قواعد طلب می کردند و ایں طریقه اصل راه فقها است -۱۲(مصفی صفحہ ۴)

آپ کی تصانیف سے ہندوستان کی علمی دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا اور

قرآن و حدیث سے ناواقفی کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں جو یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ قرآن و حدیث کا علم نہایت مشکل ہے اور ان کو سوائے مجتہد کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور زمانہ اجتہاد و مدت سے ختم ہو چکا ہے- یہ بات حضرت شاہ صاحب کے تراجم اور علم قرآن و حدیث کی تشویق و ترغیب کے سبب ذہنوں سے جاتی رہی اور لوگ شوق سے قرآن و حدیث کے سیکھنے میں لگ گئے اور اس عمل بالحدیث کی بھی بنیاد پڑ گئی- ہم اس جگہ ان تصانیف پر ریویو کرنے کی بجائے تصنیف کے متعلق اجمالی نظر سے حضرت شاہ صاحبؒ ممدوح کی بعض خصوصیات ذکر کرتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ ملک ہندوستان میں حضرت شاہ صاحب سے پیشتر علمی خدمت کس ڈھنگ پر تھی اور آپ نے اسے کس رنگ میں رنگ دیا- فللہ درہ-

(ا) حضرت شاہ صاحب سے پیشتر قرآن شریف کی خدمت کی طرف مطلقاً توجہ نہیں تھی- قرآن شریف کا ترجمہ نصاب درسیات میں شامل نہیں تھا- اور معلوم ہے کہ قرآن شریف شریعت کا اصل ماخذ و منبع ہے اور علوم الہیہ کی تحصیل سے اصل مقصود یہی ہے کہ قرآن فہمی میں کمال حاصل ہو- لیکن جب قرآن پڑھا نہیں سیکھا نہیں اس کے اسلوب سے طبیعت مانوس ہوئی نہیں اور ان علوم الہیہ کی تحصیل کے بعد قرآن میں ان کے قواعد کا اجرو استعمال کیا نہیں گیا اور قرآن کی حلاوت کا ذوق و شوق دل میں موجزن ہوا نہیں تو اس کے فہم میں کمال کیسے ہو گا اور کہاں سے ہو گا؟ محض ذہنی عظمت زیادہ سے زیادہ محض ایمان کے درجے تک رکھتی ہے لیکن اطمینان کے درجے تک نہیں پہنچا سکتی-

آپ کے والد شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور قرآن شریف کی اشاعت و ترویج کے لئے ایک درسگاہ کھولی- جس کا نام آپ کے نام نامی پر مدرسہ رحیمیہ ہوا-

شاہ عبدالرحیم کی وفات کے بعد آپ کو اس درسگاہ میں جو برابر بارہ سال تعلیم و تدریس کا موقع ملا اس میں آپ نے اپنے طلباء میں قرآن شریف سے استدلال کرنے

کی ایک نئی روح پھونک دی-

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب کو قرآن فہمی کا ملکہ خاص طور پر عطا کیا تھا-
چنانچہ اس فن میں آپ کی تصانیف الفوز الکبیر اور فتح الخبیر اور ترجمۃ القرآن الموسوم بفتح الرحمٰن اور تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء وغیرہا اس کی شاہد موجود ہیں-خود جناب شاہ صاحب ان سب کو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور اس کی □ قرار دیتے ہیں
چنانچہ الفوز الکبیر میں اپنے علوم وہبیہ کے ذکر میں فرماتے ہیں-

من العلوم الوهبية فى علم التفسير التى اشرنا اليها تاويل قصص الانبياء عليهم السلام وللفقير فى هذا الفن رسالة مسماة بتاويل الاحاديث الخ و من العلوم الوهبية تنقيح العلوم الخمسة التى هى منطوق القران العظيم مر من ذالك الباب جملة فى اول الرسالة فراجعه و من العلوم الوهبية ترجمة باللسان الفارسى على وجهٍ مشابهٍ للعربى فى قدر الكلام و التخصيص و التعميم و غير ها اثبتنا ها فى فتح الرحمن فى ترجمة القرآن (الفوز الكبير صفحه ۱۲۰ بر حاشية سفر السعادت مطبوعه مصر)

علم تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علوم مجھے بخشے گئے ہیں اور جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے انبیاء علیہم السلام کے قصوں کی تاویل ہے-اور اس فقیر نے اس فن میں ایک رسالہ بہ نام تاویل الاحادیث رکھا ہے-الخ
نیز علوم وہبیہ میں سے ان پانچ علوم کی تنقیح ہے جن کے متعلق قرآن شریف میں مستقل بحث مذکور ہے-اس باب میں سے کچھ بیان شروع کتاب میں گذر چکا ہے وہاں پر دیکھیں-نیز علوم وہبیہ میں سے قرآن شریف کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے جو □ اور تعمیم وغیرہ کی جنس سے انداز کلام میں عربی عبارت کے مشابہ ہے جس کو ہم نے فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن میں درج کیا ہے-

آپ عربی اور فارسی میں شعر کہنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے-چنانچہ تصوف اور مدح وحب نبیؐ میں آپ کے قصائد واشعار آبدار کتب تراجم کی زینت ہیں-جن کی زبان کی فصاحت وبلاغت علمائے عرب وعجم ومصر نے بھی تسلیم کی ہے-

آپ کی تصانیف دو سو سے زیادہ ہیں اور سب کی سب نافع ومفید اور مقبول خاص وعام ہیں-ان میں سے بعض تو اپنے اپنے مضمون میں عدیم النظیر ہیں اور بعض ایسی کہ آپ سے پہلے کسی نے اس مضمون پر قلم نہیں اٹھایا-

ان کتب میں سے حجة الله البالغة خاص طور پر قابل ذکر ہے جس میں علوم شرعیہ کے جمیع ابواب کے مسائل اور ان کے اسرار وحکم ایسے طریق پر بیان کئے گئے ہیں کہ یہ کتاب اس موضوع پر آپ سے پیشتر کی تمام کتب مصنفہ پر فوقیت لے گئی ہے اور اس میں کسی کو نزاع نہیں-

حضرت نواب صاحبؒ اپنی کتاب اتحاف النبلاء (مقصد دوم صفحہ ۴۳۰) میں فرماتے ہیں-

"انصاف یہ ہے کہ اگر آپ کا وجود صدر اول اور زمانہ ماضی میں ہوتا تو آپ امام الائمہ اور تاج المجتہدین گنے جاتے-" (انتہی مترجماً)

رتبہ مجددیت: آپ بلا نزاع بارھویں صدی کے مجدد ہیں-چنانچہ آپ اپنی کتاب تفہیمات میں فرماتے ہیں-

لما تمت بى دورة الحكمة البسنى الله خلعة المجددية فعلمت علم الجمع بين المختلفات. (انتهى منقول از اتحاف النبلا مقصد دوم صفحه ۴۳۰)

جب میرا دورہ حکمت یعنی علم اسرار دین پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے خلعت مجددیت پہنائی-پس میں نے مسائل اختلافی میں جمع (وتطبیق) کو معلوم کر لیا-

آپ کا سن وفات "اوبود امام اعظم دین" ۱۱۷۶ھ ہے-افاض الله علينا فيوضه-

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی

ولادت ۱۱۵۹ھ　　　وفات ۱۲۳۹ھ

نواب صاحب نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء میں آپ کے حالات نہایت جامع عبارت میں درج فرمائے ہیں جن کا انتخاب بصورت ترجمہ حسب ذیل ہے۔

آپ ہندوستان بھر میں استاذ الاساتذہ خاتم المفسرین والمحدثین تھے۔ آپ کا تاریخی نام غلام حلیم (۱۱۵۹ھ) ہے۔

آپ اپنے زمانہ میں مرجع علماء و مشائخ تھے۔ آپ کا پایہ تمام علوم متداولہ و غیر متداولہ اور فنون عقلیہ ونقلیہ میں اتنا بلند تھا۔ کہ بیان سے باہر ہے۔ حافظہ کی پختگی وعمدگی تعبیر رویا کے علم وعظ وانشاء کے سلیقہ، علوم کی تحقیقات اور مخالفین کے ساتھ مذاکرہ و مباحثہ میں اپنے ہم عصروں میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ موافق و مخالف سب کو آپ سے عقیدت تھی۔ آپ نے اپنی تمام عمر تدریس وافتا، فصل خصومات، وعظ مریدوں کی تربیت اور شاگردوں کی تکمیل میں گذاری۔ دنیوی جاہ و عزت اور احترام و تعظیم کے ساتھ ساتھ آپ کمالات باطنی بھی رکھتے تھے۔

امیر المجاہدین سید احمد بریلوی آپ کے مرید طریقت تھے۔ بلاد ہند میں آپ اور آپ کے برادران کرام علم و عمل کی ریاست کے سردار تھے۔ ہندوستان میں کوئی علاقہ بلکہ کوئی شہر کم ہوگا کہ اس میں کوئی ایسا شخص ہو جسے اس خاندان سے نسبت تلمذ یا استفادہ باطن نہ ہو۔ بڑے بڑے علماء آپ کی شاگردی پر فخر کرتے ہیں اور فضلاء آپ کی تصنیف کردہ کتابوں پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنے والد ماجد اور ان کے خلفاء کرام سے علوم حاصل کئے اور بہت سی خلقت نے آپ سے استفادہ کیا۔

آپ کی تصنیفات میں سے مشہور ترین کتاب جو آپ کے وسعت علم و کمال کی دلیل ہے تفسیر فتح العزیز ہے۔ جو دو بڑی بڑی جلدوں میں ہے اور کوئی سوا تین پارے کلام مجید کی ہے (پارہ اول اور دوئم رکوع رمضان تک اور پارہ ۲۹ و ۳۰ کامل) یہ تفسیر ہندوستان میں دوبارہ شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ تحفہ اثنا عشریہ رد شیعہ میں اور

بستان المحدثین سر الشہادتین عجالہ نافعہ اور بہت سے فتاوی ہیں[1]

آپ نے ۱۲۳۹ھ میں وفات پائی۔ شعرا و علماء نے آپ کی وفات کی تاریخیں لکھیں آپ کو اپنے پدر بزرگوار کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

آپ کا خاندان علوم حدیث اور فقہ حنفی کا ہے۔ علم حدیث کی جو خدمت ملک ہند میں اس خاندان نے کی ہے کسی اور نے نہیں کی۔ سرزمین ہند میں عمل بالحدیث کا بیج حقیقت میں آپ کے والد بزرگوار نے بویا تھا۔ اور آپ نے اسے برگ وبار بخشا۔ ورنہ بلاد ہند میں کوئی شخص علاوہ فقہ حنفی کے علم حدیث سے تمسک نہیں کرتا تھا۔ فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء (انتہی ملخصاً و مترجماً)

شاہ رفیع الدین صاحبؒ المتوفی ۱۲۳۰ھ

آپ شاہ ولی اللہ کے سعادت مند فرزند اور شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ نے جملہ علوم کی عموماً اور حدیث نبوی ﷺ کی خصوصاً سنداً اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ آپ علوم دینیہ اور عقلیہ میں مرجع ارباب استعداد تھے۔ چونکہ آخری عمر میں جناب شاہ عبدالعزیز کو کبر سنی نے بالکل ضعیف کر دیا تھا۔ اس لئے تدریس کا سلسلہ آپ ہی کی مقدس ذات سے وابستہ تھا۔ دور دراز کے شہروں سے جو زبردست فضلاء یہاں آکر آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے باوجودیکہ فضل وکمال کی سند حاصل کئے ہوتے پھر بھی آپ کا تبحر علمی دیکھ کر عش عش کر اٹھتے۔ دیار ہند کے تمام نامی اور مشہور فضلاء آپ ہی کے مستفیضوں اور خوشہ چینوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کو ہر فن کے ساتھ اعلیٰ مناسبت تھی۔

طلبہ کی تدریس کی وجہ سے تصنیف و تالیف کے لئے آپ کو بہت کم وقت ملتا تھا۔ پھر بھی آپ نے کئی مفید کتابیں تصنیف کیں۔ عربی میں پر معنی اور دلچسپ نظم ونثر کے مضامین لکھے اور قرآن شریف کا لفظی ترجمہ کرکے عامہ خلائق کو مستفیض فرمایا۔

آپ نہایت اعلیٰ پایہ کے محقق تھے۔ آپ کی بہت سی عمدہ تالیفات ہیں جن میں

[1] آپ کا مجموعہ فتاویٰ دو جلدوں میں دہلی میں طبع ہو چکا ہے۔

بہت سے مشکل اور مخفی امور پر بحث کی ہے- ان میں تھوڑے کلمات میں بہت سے مسائل جمع کئے ہیں- رحمہ اللہ و افاض علینا من فیوضہ-

شاہ عبدالقادرؒ قدس سرہ المتوفی ۱۲۳۰ھ

آپ شاہ ولی اللہؒ کے خلف الرشید اور شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے چھوٹے بھائی ہیں-

آپ نے تمام کتب دینیہ و عقلیہ اپنے والد ماجد سے سبقاً سبقاً پڑھیں- مگر کسب فیض باطن کے لئے اپنے والد بزرگوار کے علاوہ دیگر اکابر دین اور اہل کمال کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے- آپ اپنے زمانہ کے جملہ اہل کمال کے حلقہ میں ایسے ممتاز تھے جیسے جھلملاتے تاروں کے حلقہ میں پوری روشنی کا چاند-

آپ کے زہد و اتقا' خلق و تواضع کی بے مثل شہرت ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی تھی-

آپ نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ اکبر آباد کی ایک مسجد کے حجرہ میں بسر کیا- رات دن طاعت و ریاضت میں مصروف رہتے- قرآن مجید کے بامحاورہ اردو ترجمہ اور تفسیر موضح القرآن کے علاوہ آپ کی کوئی اور تصنیف دستیاب نہیں ہوئی- ترجمے اور حواشی میں اختصار سلاست زبان اور جامعیت ایسی ہے کہ عربی اور اردو زبان کے محاورات جاننے والے عش عش کر اٹھتے ہیں-

کسی بزرگ نے سچ کہا ہے کہ اگر قرآن مجید اردو زبان میں نازل ہوتا تو ان ہی محاورات کے لباس سے آراستہ ہوتا- جس کی رعایت شاہ عبدالقادر نے برتی ہے- رحمہ اللہ و جزاہ عنا و عن سائر المسلمین-

شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ بن شاہ عبدالغنی صاحبؒ

ولادت ۱۲۰۳ھ   شہادت ۱۲۴۶ھ

آپ ائمہ دین و فقہائے متقین اور بلند پایہ محدثین میں سے ہوئے ہیں- آپ کے والد ماجد شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہؒ ۲۸ برس کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت ہو

گئے-

اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد آپ نے اپنے نامدار چچا شاہ عبدالقادرؒ دہلوی مؤلف موضح القرآن سے ظاہری و باطنی تربیت حاصل کی- علمی اور عملی کمالات اور خاندانی فضائل کی تحصیل کے لئے اپنے بزرگ چچاؤں کی خدمت میں زانوئے ادب تہ کر کے علم و فضل کی چوٹی تک پہنچے-

آپ نہایت ذکی الطبع تھے- آپ کی طالب علمی کے زمانے کی ذہانت و فطانت کے قصے علماء و مدرسین کی زبانوں پر ہیں- مشکل امور و علوم کو نہایت جلد سمجھ کر بات کی تہ تک پہنچ جاتے-

آپ نے سید احمد بریلوی مرید شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے بیعت جہاد کی ہوئی تھی اور آپ ان کے حجاج اور مجاہدین کے قافلہ کے سردار تھے- مشرق سے مغرب تک شریعت کا یہ تمام رواج اور بدعت و محدثات کا قلع قمع علوم کا چرچا' نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کی کثرت اور مساجد کی آبادی جو ہندوستان اور پاکستان میں نظر آ رہی ہے آپ کی اور مولوی عبدالحئیؒ[1] مرحوم کی کوشش اور اجتہاد کے طفیل ہے-

سرزمین ہندوپاکستان میں ان دونوں بزرگواروں کی مثال جو اپنے پیر کے دو وزیروں کی طرح تھے- ان بارہ سو سال میں کم ملتی ہے- ان کے زمانہ میں اسلام کو ایک نئی رونق حاصل ہوئی اور مٹی ہوئی سنن ماثورہ آپ کی کوششوں سے دوبارہ زندہ ہوئیں- خصوصاً شاہ اسماعیل شہید کے وعظ و نصائح کی برکات اور آپ کے نصائح سے کثرت سے لوگوں کا ہدایت یافتہ ہونا- ایسی چیزیں ہیں کہ موافق و مخالف اس پر سب یک زبان ہیں-

شرک و بدعت کی جو رسوم آپ نے مٹائیں اور محدثات و کفریات جو آپ نے دنیا سے دور کئے ان کا کوئی حساب ہی نہیں-

اتباع سنت اور اجتناب از بدعت کا جو بیج آپ کے دادا شاہ ولی اللہ نے ان علاقوں

[1] یہ مولانا عبدالحئیؒ سید احمد صاحبؒ رائے بریلوی کی جہادی مساعی میں خلیفہ تھے- اور مولانا عبدالحئی لکھنوی محشی کتب عدیدہ آپ کے بہت بعد ہوئے ہیں-

میں بویا تھا وہ آپ کے زمانہ میں خوب پھل لایا اور جو کام انہوں نے شروع کیا تھا آپ نے اسے انجام تک پہنچایا-

آپ اسلام کے ان اولوالعزم عالی ہمت' ذکی' جری اور غیر معمولی افراد میں سے ہیں جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں- علوم معقول و منقول میں آپ نے پہلوں کی یاد تازہ کر دی- اور فروع و اصول میں علمائے سابقین سے بہت آگے بڑھ گئے- اصول فقہ آپ کو نوک زبان یاد تھے- علم حساب کے آپ خوب ماہر تھے- قرآن و حدیث آپ کے سینہ میں محفوظ تھا اور فقہ و منقول کی آپ کو دیرینہ مشق تھی-

اگرچہ دوسرے علماء کی طرح بوجہ اپنی جہادی مساعی کی تدریس و تعلیم میں مشغول نہ ہوئے اور نہ ان کو حاصل کرنے میں عمر عزیز کا کوئی حصہ گذارا- تاہم اپنی خدا داد ذکاوت اور طبع نقاد کی عمدگی کی وجہ سے امتحان کے موقعہ پر ممتحنین اور اکابر علماء مشہورین پر سبقت لے جاتے تھے-

حج و جہاد کے لئے آپ نے عرب و عجم کا سفر کیا اور ہر دو جگہ بعض مسائل میں علماء زمانہ کے ساتھ مناظرہ ہوا- تو فتح و اقبال آپ کے حصہ میں آئے اور مخالفین کو شکست پر شکست ہوئی-

اپنی تمام عمر اعلائے کلمتہ اللہ و احیای سنن رسول اللہ ﷺ جہاد فی سبیل اللہ اور ہدایت خلق اللہ میں گذار دی-

آپ کی تصانیف جو نہایت ضرورت کی وجہ سے اور عام طور پر لوگوں کے التماس اور اصرار پر لکھی گئیں تھی- اکثر و بیشتر سفر کی حالت میں لکھی گئیں اور ان پر نظر ثانی کا موقعہ نہ ملا- باوجود اس کے فصاحت و بلاغت اور لطافت و تحقیق معانی میں اپنے زمانہ کی تالیفات بلکہ بعض سابقہ تالیفات سے بدرجہا بہتر ہیں-

آپ مجتہدانہ دماغ کے آدمی تھے- اگر آپ کو اشغال حربیہ سے فرصت ملتی اور تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا موقعہ ملتا تو آپ اپنے بہت سے پیشرو علماء سے بہت آگے ہوتے اور بہت سے فنون میں امام تسلیم کئے جاتے-

مگر یہی ذکاوت طبع وجودت خاطر اور شرع مبین کے آداب میں کمال دینداری آپ کے لئے اہل زمانہ کے حسد اور مبتدعین کی عداوت کا باعث بنے- کبھی آپ کو ترک حنفیت کی تہمت لگائی جاتی اور کبھی وہابیت کا الزام لگایا جاتا- بلکہ یہاں تک کہ آپ کو معتزلہ اور خارجی کہا گیا مگر آپ کی کسی کتاب میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جاتی- اس دروغ بافی سے ان دنیا طلبوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ معبود حقیقی کی خالص عبادت سے لوگوں کو ہٹایا جائے اور بدعت کے بازاروں کو چمکایا جائے-

آپ علوم دینیہ و خادمہ میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ فن سپہ گری میں بھی ماہر' تلوار چلانے میں مشاق' بے رکاب گھوڑے پر اچھل کر سوار ہونے والے' دریائے جمنا میں تیرنے والے' جامع مسجد دہلی کے وسیع صحن میں عین دوپہر کے وقت گرم پتھروں پر ننگے پاؤں سہج سہج سے چلنے والے تھے- لشکر کفار کے مقابلہ میں بذات خود ہی نہیں بلکہ فوجوں کو ترتیب دے کر لڑانے میں بھی ماہر تھے- آپ صرف سپاہی ہی نہ تھے بلکہ قابل جرنیل بھی تھے-

سیالکوٹ میں ڈاکٹر سر محمد اقبال کی لندن و جرمنی سے اور میری حرمین شریفین اور دیگر بلاد اسلامیہ سے واپسی پر ان کے مکان پر میری ان سے ملک ہندوستان کے سیاسی حالات پر گفتگو ہو رہی تھی- اس کے دوران میں آپ نے فرمایا کہ اگر مولانا محمد اسماعیل شہید کے بعد ان کے مرتبے کا ایک مولوی بھی پیدا ہو جاتا تو آج ہندوستان کے مسلمان ایسی ذلت کی زندگی نہ گزارتے-

بے شک ڈاکٹر صاحب مرحوم نے سچ فرمایا کہ مولانا شہیدؒ کے بعد ان کی طرز کا کوئی عالم پیدا نہیں ہوا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے لگائے ہوئے پودے بے ثمر بھی نہیں رہے- چنانچہ آج ملک ہندو پاکستان میں جس قدر بھی اعلائے کلمتہ اللہ کی جدو جہد جاری ہے وہ آپ ہی کے نعرہ حق کے اثر سے ہے-

فقہ' حدیث اور اصول میں آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں- جو سب کی سب نہایت مفید اور اہل حق کے نزدیک مقبول ہیں- ان میں سے بعض یہ ہیں-

ردالاشراک، تقویۃ الایمان، تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین، اصول فقہ، الصراط ا □، رسالہ منصب امامت ایضاح الحق الصریح، مثنوی سلک نور (ناتمام)، تنقید الجواب در اثبات رفع الیدین، عقبات تصوف و تجلیات آلہیہ ہیں۔

آپ کی سب سے بڑی یادگار مغلوں کی سلطنت کے دم واپسیں کے وقت عین موقعہ پر ضرورت پر سرزمین ہند میں جذبہ جہاد کا پیدا کرنا ہے جس کا غلغلہ آج تک تمام ہندوستان و پاکستان میں بلند ہو رہا ہے۔

پنجاب میں سکھوں کے ساتھ آپ نے متعدد جہاد کئے مگر بعض لوگوں کی بے وفائی کی وجہ سے آپ اپنے پیر سید احمد شہید کے ہمراہ لڑتے ہوئے ۱۲۴۶ھ میں بمقام بالاکوٹ (علاقہ سرحد) زخم تفنگ سے شہید ہوئے۔

رحمہ اللہ و ایانا و جزاہ اللہ عن سائر المسلمین خیر الجزاء۔

استاذ الآفاق حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ محدث دہلوی قدس سرہ

ولادت تقریباً ۱۱۹۲ھ　　وفات ۱۲۶۲ھ

کنیت ابو سلیمان۔ والد بزرگوار کا نام محمد افضل فاروقی جو لاہور کے رہنے والے تھے۔

آپ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے تھے۔ آپ نے اپنے تینوں نانا شاہ عبدالعزیز شاہؒ، عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ قدس اسرارہم سے تحصیل علم کی۔ چونکہ شاہ عبدالعزیز کی اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس لئے ان کے بعد مسند خلافت پر آپ ہی بیٹھے۔ دہلی میں اس وقت جتنے ممتاز عالم تھے ان میں تو بعض براہ راست شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے اور بعض کسی شاگرد کے شاگرد یا ان کے خاندان والوں میں سے کسی کے شاگرد تھے مگر سب سے بڑھ کر مشہور حلقہ درس جناب شاہ محمد اسحاقؒ کا تھا جو شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے اور جانشین تھے۔

۱۲۴۰ھ میں آپ فریضہ حج ادا کرنے مکہ مکرمہ گئے۔ وہاں ۱۲۴۱ھ میں شیخ عمر بن عبدالکریم مکی (المتوفی ۱۲۴۷ھ) نے بھی آپ کو اپنے طریقہ کی روایت حدیث کی

اجازت دی۔ شیخ عمر بن عبدالکریم ممدوح فرمایا کرتے تھے کہ آپ میں اپنے نانا شاہ عبدالعزیزؒ کی برکت حلول کر گئی ہے۔ شیخ موصوف علم حدیث اور رجال میں آپ کے کمال کے قائل تھے۔

شاہ عبدالعزیز قدس سرہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور فرماتے الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل و اسحاق۔ نیز آپ فرمایا کرتے کہ میری تقریر تو لی اسماعیل نے تحریر رشید الدین[1] نے اور تقوی محمد اسحاق نے۔

شیخنا السید محمد نذیر حسینؒ فرمایا کرتے تھے کہ جناب شاہ عبدالعزیزؒ کے وقت میں امامت نماز پنجگانہ شاہ محمد اسحاقؒ ہی کرایا کرتے تھے۔

سر سید احمد خاں مرحوم آثار الصنادید میں لکھتے ہیں۔

"آپ نے حدیث اور علم حدیث کا درس بیس برس تک جناب شاہ عبدالعزیزؒ کے سامنے بیٹھ کر طلبہ کو دیا۔ اتباع سنت میں سے کوئی کام آپ سے سرزد نہ ہوتا کہ جو فعل رسول مختار نہ ہوتا۔ حق جل و علا نے صورت اور سیرت دونوں عطا کی تھیں۔ ان کی صورت سے آثار صحابیت ظاہر ہوتے تھے اور یقین ہوتا تھا کہ حضرت سید الثقلین صلوات اللہ وسلمہ علیہ و آلہ کی صحبت کا فیض جنہوں نے پایا ہوگا ان کی یہی صورت و سیرت ہوگی۔"

چونکہ آپ کو تدریس اور فتاوی نگاری سے فرصت نہ ملتی تھی اس لئے سوائے مسائل اربعین مایۃ مسائل اور تذکرۃ الصیام کے آپ کی کوئی اور تصنیف یادگار نہیں پائی جاتی۔

استفتاء کا جواب آپ شیخنا السید محمد نذیر حسینؒ محدث دہلوی سے لکھایا کرتے تھے۔

آپ نے شوال ۱۲۵۸ھ میں ہندوستان سے مکہ معظمہ کو ہجرت کی۔ جب آپ دہلی سے چلے تو پہلی منزل (بستی) نظام الدین میں کی اور تین روز وہاں قیام فرمایا۔

[1] آپ شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے۔ علوم کثیرہ میں صاحب لیاقت اور خاص کر فن تحریر میں ماہر تھے۔ رد روافض میں شوکت عمریہ وغیرہ مفید کتابیں تصنیف کیں۔

مشایعت کے لئے سینکڑوں آدمی دہلی سے وہاں تک گئے-

آپ نے ستر برس کی عمر میں ماہ رجب ۱۲۶۲ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی اور ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے مزار مبارک کے قریب مدفون ہوئے-

آپ کے مختلف اطراف کے کثیر التعداد مشہور تلامذہ میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں-

مولوی محمد یعقوبؒ- مولوی محمد عمر بن مولانا شہیدؒ- شیخ محمد انصاری سہارنپوری مکی- مولوی عبدالخالق دہلوی میاں صاحب (سید نذیر حسین) کے خسر- مولوی صفتہ اللہ والد ماجد قاضی محفوظ اللہ پانی پتی- مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی- مولوی محمد ابراہیم عظیم آبادی- شیخ محمد تھانوی- شاہ عبدالغنی دہلوی مہاجر- مولوی علی احمد نزیل ٹونک- نواب رطب الدین خاں دہلوی- شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی- مولوی سبحان بخش شکارپوری- مولوی عبداللہ سندھی- مولوی گل کابلی- حافظ محمد فاضل سورتی- حافظ حاجی محمد مرحوم جون پوری دہلوی- مولوی بہاء الدین دکھنی- مولوی نورالحسن کاندھلی مولوی عبدالقیوم بھوپالی نواسہ شاہ عبدالعزیز دہلوی- مولوی نوازش علی دہلوی- حافظ احمد علی سہارنپوری وغیرہ وغیرہ- رحمہ اللہ و ایانا-

شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ

ولادت ۱۲۲۰ھ وفات ۱۳۲۰ھ

آپ کا وطن مالوف قصبہ سورج گڑھ ضلع مونگیرہ صوبہ بہار تھا- جہاں آپ ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے- ولادت کی صحیح تاریخ اور مہینہ معلوم نہیں ہو سکا-

آپ کے جد اعلیٰ سید احمد شاہ جاجنیری ایک ہزار سپاہیوں پر جرنیل تھے- آپ کے والد ماجد سید جواد علی کئی پشتوں سے موضع ملبھوا میں رہتے تھے جو سورج گڑھ سے پانچ چھ میل جانب جنوب ہے- سید جواد علی فارسی دانی میں ممتاز بین الاقران تھے-

آپ دادہال اور ننہال دونوں ہی جانب سے نقوی حسینی ہیں- آپ چونتیسویں پشت میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے اور پینتیسویں پشت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتے ہیں-

آپ کا خاندان علم وفضل دولت ووجاہت میں پہلے سے ہی ممتاز تھا- آپ بزرگ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سے خدمت قضا پر مامور تھے-

بچپن میں آپ کو کھیلنے کا بہت زیادہ شوق تھا- تیرنے دوڑنے، گھوڑا سواری کرنے، میں مشاق تھے-

فارسی کی درسی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں اور عربی کی ابتدائی کتابیں بھی انہوں نے شروع کرادیں-

علم کی تلاش میں وطن چھوڑتے ہیں: ۱۲۳۶ھ سولہ سال کی عمر اپنے ایک ہم عمر طالب علم سے صلاح کر کے رات کو دونوں گھر سے نکلے اور پاؤں چلتے چلتے عظیم آباد (پٹنہ) پہنچے جو اس وقت صوبہ بہار کا مدینتہ العلم تھا- قریباً چھ [illegible] یہاں ٹھیرے اور غالباً ترجمہ قرآن اور مشکوٰۃ پڑھا-

پٹنہ میں آپ کو شاہ اسماعیل شہید کے مواعظ حسنہ سننے کا موقع ملا جو حج کو جا رہے تھے- اس سے آپ کے دل میں دہلی جانے کا خیال پیدا ہوا-

۱۲۳۷ھ میں آپ پٹنہ سے دہلی کی جانب اپنے رفیق مولوی امداد علی صاحب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ رستے میں غازی پور میں قیام کیا اور کچھ ابتدائی کتابیں مولوی احمد علی صاحب چڑیاکوٹی سے پڑھیں۔ صرف و نحو کی ابتدائی تعلیم علماء الہ آباد سے حاصل کی اور ساتھ آٹھ ماہ وہاں قیام کیا۔ آخر آہستہ آہستہ راہ بے راہ سفر کرتے ۱۳ رجب ۱۲۴۳ھ بدھ کے روز دہلی پہنچے۔ پہلے مفتی شجاع الدین صاحب کے مکان پر ٹھیرے۔ دس پندرہ روز بعد پنجابی کٹرہ کی مسجد اورنگ آبادی میں مولوی عبدالخالق صاحب (متوفی ۱۲۶۱ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں پر بہ نسبت دیگر علوم درسیہ کے دینیات کی طرف زیادہ توجہ تھی۔

تعلیم: پٹنہ میں آپ نے ترجمہ قرآن و ترجمہ مشکوٰۃ پڑھ لیا تھا۔ اس لئے علم دین کا خیال زیادہ تھا۔ سو عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مولانا عبدالخالق سے کافیہ کا سبق شروع کیا اور کئی کتابیں پڑھیں۔

آپ کے دیگر اساتذہ:

(۲) مولانا اخوند شیر محمد قندہاری المتوفی ۱۲۵۷ھ
(۳) مولانا جلال الدین ہروی۔ ایک معقولی بزرگ تھے۔
(۴) مولوی کرامت علی صاحب اسرائیلی۔
(۵) مولوی محمد بخش صاحب عرف تربیت خاں۔ علوم ریاضیہ و فلسفہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ کتب متقدمین پر نہایت وسیع نظر تھی۔
(۶) مولانا عبدالقادر صاحب رامپوری۔
(۷) ملا محمد سعید صاحب پشاوری۔
(۸) مولوی حکیم نیاز احمد صاحب سہسوانی جو بڑے عالم اور عامل بالحدیث تھے۔

رجب ۱۲۴۳ھ سے آخر ۱۲۴۶ھ تک قریباً ۳۱/۲ سال کے عرصہ میں تمام علوم رسمیہ سے فارغ ہو کر ہمہ تن تفسیر و حدیث و فقہ کی تحصیل میں مصروف ہو گئے۔ اور اس مقصد کے لئے شاہ محمد اسحاقؒ کی درس گاہ کا رخ کیا۔ صحاح ستہ، جلالین، بیضاوی،

کنز العمال اور جامع الصغیر (للسیوطی) یہ سب کتابیں شاہ صاحب سے پڑھنے کے علاوہ تیرہ برس کی مدت مدید تک شب و روز ان کی صحبت بابرکت سے مستفیض ہوتے رہے ابتدا میں ساتھ آٹھ برس صرف صرف و نحو، معانی کا درس دیا۔

عقد نکاح: دہلی پہنچنے سے چھٹے سال ۱۲۴۸ھ میں جب کہ آپ شاہ محمد اسحاقؒ سے اکتساب فیض کر رہے تھے۔ اپنے نہایت شفیق استاد سید عبدالخالق کی صاحبزادی سے عقد نکاح کیا۔ اس شادی کے کفیل و مہتمم خود شاہ محمد اسحاقؒ اور ان کے برادر خود شاہ محمد یعقوبؒ تھے۔

جس وقت شاہ محمد اسحاقؒ نے ۱۲۵۸ھ میں ہندوستان سے مکہ معظمہ کو ہجرت کی تو شاہ صاحب موصوف کا واقعی اور حقیقی جانشین اور شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہا اللہ کے مسند درس کا مالک مولانا سید نذیر حسین کے سوا اور کوئی نہ ہو سکا۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے خاندان کے سردار کو دلی والے میاں صاحب کہا کرتے تھے چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے بعد شاہ محمد اسحاقؒ کو لوگ میاں صاحب کہتے تھے۔ جب شاہ محمد اسحاقؒ ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے اور ان کی جگہ ان کے روحانی فرزند مولانا سید نذیر حسین علیہ الرحمتہ نے لی اور مسند درس و ارشاد پر متمکن ہوئے تو ان کو بھی لوگوں نے میاں صاحب ہی کے نام سے پکارا کیونکہ شاہ عبدالعزیزؒ کی اولاد صلبی میں سے کوئی باقی نہ رہا تھا۔

علم حدیث کی خدمت: علم حدیث آپ کا خاص فن تھا۔ اس فن کی ترویج چار دانگ ہندوستان میں جیسی کچھ آپ کے ذریعہ سے ہوئی کسی فرد واحد کی کوشش نہیں کر سکتی۔

فنون متداولہ درسیہ میں کوئی فن ایسا نہیں تھا جس میں آپ استعداد کامل نہ رکھتے ہوں۔ آپ علم فقہ میں عدیم النظیر سمجھے جاتے تھے۔ سر سید احمد خاں مرحوم نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں میاں صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ اس کی تصریح کی ہے۔

میاں صاحب کی طبیعت ابتدا ہی سے تحقیق کی طرف مائل تھی- علم و تجوید و قرات کی کتابوں پر بھی آپ کی نظر وسیع تھی اور علم کلام پر آپ کو پورا عبور حاصل تھا-

مولانا شاہ محمد اسحٰق کی ہجرت کے بعد آپ نے مسجد اورنگ آبادی میں اپنا مستقل حلقہ درس قائم کیا اور ۱۲۷۰ھ تک فنون درسیہ کی ہر شاخ اور تفسیر کی کتابیں بلا استثناء پڑھاتے رہے- لیکن اس کے بعد تمام دیگر فنون سے اعراض کر کے صرف علوم دین، فقہ، حدیث، اصول حدیث اور تفسیر کو اختیار کر لیا اور زندگی کا باقی حصہ جو کہ تقریباً پچاس برس کا طویل زمانہ ہے- محض دین کی خدمت اور علوم دین کی اشاعت میں بسر کر دیا-

مطالعہ کا شوق: زمانہ طالب علمی سے آپ کو کتب بینی کا بے حد شوق تھا-اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم عصروں میں جو وسعت نظر آپ کو حاصل ہوئی کسی دوسرے کو نہ ہو سکی-اخیر عمر تک آپ نے مطالعہ کا التزام رکھا- سرکاری اور دیگر کتب خانوں سے بھی آپ استفادہ کرتے تھے-ایک کتب خانہ خود اپنا ذاتی تھا جس میں بڑی محنت اور شوق سے کتابیں جمع کی تھیں-اس میں بیشتر کتابیں قلمی اور دست خاص کی لکھی ہوئی تھیں- جو طبع نہ ہوئی تھیں اور نایاب ہو چکی تھیں-افسوس وہ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی میں لٹ گیا-

آپ کے درس کی کیفیت: چند باتیں آپ کے درس میں قابل لحاظ تھیں- اقوال صحیحہ وضعیفہ کی جانچ پڑتال، سلجھی ہوئی تقریر، بیان کی صفائی تفہیم کی قدرت، حافظہ کی قوت، اشکال کی تشریح، وسعت نظر، ملکہ راسخہ، ہر مقام کے مالہ وما علیہ کی واقفیت-چنانچہ مولوی عبداللہ صاحب بازید پوری فرماتے ہیں-درس کے وقت طلبہ کا ہجوم رہتا- آپ نہایت تحقیق کے ساتھ درس دیتے اور حق بات یہ ہے کہ فقہ، تفسیر، حدیث اور فلسفہ کے آپ متبحر عالم تھے- پڑھانے میں جب تقریر کرتے تو ایک بحر مواج معلوم ہوتے تھے-

راولپنڈی کی نظر بندی: وہابیت کا مقدمہ ۶۵-۱۸۶۴ء میں جب ہندوستان کے اکثر شہروں میں چلایا گیا- تو بیشتر ماخوذین کے لئے جس دوام بعبور دریائے شور کا

حکم دیا گیا- میاں صاحب پر بھی مواخذہ ہوا جو صرف مخبروں کی غلط خبر رسانی اور اہلکاروں کی غلط فہمی پر مبنی تھا- آپ تا تحقیقات کامل کم وبیش ایک برس تک راولپنڈی کی جیل میں نظر بند رہے-

بعد تحقیقات کامل معلوم ہو گیا کہ مواخذہ ناجائز ہے-اس لئے آپ کو رہا کر دیا گیا-

جیل میں بھی درس جاری رہا- چنانچہ عطاء اللہ نامی طالب علم نے جیل میں صحیح بخاری سبقاً سبقاً پڑھی اور قرآن شریف حفظ کیا-

حج بیت اللہ: ۱۳۰۰ھ میں آپ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے- آپ کے مخالفین بھی وہاں جا پہنچے-

میاں صاحب نے تین روز منیٰ میں قیام کیا اور شب وروز وہاں وعظ فرمایا- جس میں شرک وبدعت سے اجتناب، عمل بالحدیث کی ترغیب اور رسومات بد کی اصلاح کا بیان تھا-

ان وعظوں سے دشمنوں کی آتش عداوت وحسد اور بھڑک اٹھی-اس پر رفقاء و خدام نے بمنت وسماجت عرض کیا کہ حضور وعظ بند فرمائیں- مخالفین کی سازش بہت گہری ہو چکی ہے-اب جان کی خیر نظر نہیں آتی-اس کے جواب میں میاں صاحب نے صاف فرمادیا کہ

"سنو صاحب! بہت جی چکا-اب زندگی کی تمنا نہیں ہے-امام نسائی بھی مکہ میں شہید ہوئے تھے-اسی حرم میں جہاں میرے قتل کا منصوبہ ہو رہا ہے- میں ہر وقت قتل ہونے کے لئے تیار ہوں- مگر تبلیغ سے باز نہ آؤں گا-"

حج سے فارغ ہونے کے بعد آپ بانتظار قافلہ مدینہ طیبہ مکہ معظمہ میں ٹھیرے ہوئے تھے- مخالفین نے پاشائے مکہ کے ہاں مخبری کرادی کہ مولوی نذیر حسین معتزلی اور وہابی ہیں-اسی طرح اور بھی بہت سے اتہامات لگائے-اس پر آپ کو پاشائی محل میں طلب کیا گیا- تین دن تک آپ وہاں رہے اور آپ سے ان تہمتوں کے جواب طلب کئے

گئے- آخر آپ بری قرار دئے گئے-اس کے بعد پاشا نے آپ کا بہت اکرام کیا اور خاص اپنے ہاتھ سے قہوہ پیش کیا اور باز پرس پر معذرت کی اور طلب عفو کے ساتھ اپنے حق میں دعائے خیر چاہی-

یہ معلوم کر کے کہ آپ مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں-پاشا مذکور نے آپ کو ایک خط مدینہ منورہ کے پاشا کے نام لکھوا کر اپنی مہر خاص سے مسجل کر کے دیا-اور کہا کہ آپ سے وہاں کسی قسم کا تعرض نہیں ہو گا-

پاشا کا یہ خط لے کر میاں صاحب مع اپنے شاگرد اور رفیق مولوی تلطف حسین صاحب عظیم آبادی وغیرہ کے مدینہ پہنچے-وہاں بھی مخالفین نے بہت کچھ فتنہ بپا کرنے کی کوششیں کیں مگر ان کی کچھ نہ چلی- آپ وہاں کچھ روز قیام کر کے واپس تشریف لے آئے-

حافظ ڈپٹی مولوی نذیر احمد صاحب (مترجم قرآن) فرماتے ہیں-

جب آپ سفر حجاز سے واپس تشریف لائے تو اسٹیشن دہلی پر استقبال کے لئے اس قدر لوگ حاضر ہوئے کہ پلیٹ فارم کا ٹکٹ ختم ہو گیا-کارپردازان اسٹیشن حیران تھے کہ یہ کس نامی گرامی شخص کی آمد آمد ہے-

حکومت کی طرف سے خطاب: جون ۱۸۹۷ء مطابق محرم ۱۳۱۵ھ میں آپ کو گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا-جب لوگ خلعت و خطاب کے ساتھ میاں صاحب سے ملے اور آپ کو اس سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا-

"ہم غریب آدمی خلعت و خطاب لے کر کیا کریں گے- خلعت و خطاب تو بڑے آدمیوں کو ملنا چاہئے-ہم کو دنیا لا حاصل ہے-بعد اس گفت و شنید کے آپ نے اسی قدر فرمادیا-اچھا صاحب آپ حاکم ہو جا چاہو کہو-"

اس خطاب کے بعد رسالہ دلگداز (لکھنؤ) کے ایڈیٹر نے بعنوان "شمس العلماء" ایک مضمون لکھا جس کا ماحصل یہ ہے-

"مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کی عزت افزائی تو اس خطاب

سے ہو ہی نہیں سکتی- لیکن اس خطاب کو عزت و شرف اس نام کی برکت سے ضرور حاصل ہوا-"

آپ کے چند اخلاق حسنہ: آپ کے دشمن جانی بھی جب سامنے آکر اپنی حاجتیں پیش کرتے تو آپ بکشادہ پیشانی نہایت ہی ہنسی خوشی سے ان کی حاجت روائی کرتے-

مسجد میں داخل ہوتے وقت آپ اپنا جوتا خود اٹھاتے تھے-کسی اور کو اٹھانے کا موقعہ نہیں دیتے تھے- علیا حضرت والیہ بھوپال کی طرف سے قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن آپ نے روش محدثین کو ملحوظ رکھتے ہوئے بوریا نشینی و درس و تدریس کو کرسی نشینی پر ترجیح دی-

تقریباً اسی برس آپ دہلی میں رہے-مگر اپنی اور اپنے اہل و عیال کی سکونت کے لئے ایک مکان بھی تعمیر نہ کرایا اور کرایہ کے مکان میں زندگی بسر کر دی اور وہ مکان بھی محض معمولی درجہ کا تھا-

اس خاکسار مولف کی موجودگی میں آپ کے پوتے سید عبدالسلام صاحب نے شیخنا حافظ عبدالمنان صاحبؒ وزیر آبادی سے کہا کہ آج تک ہم دہلی میں کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں- آپ میاں صاحب سے عرض کریں کہ ہمارے لئے کوئی اپنا سکونتی مکان تو بنوا دیں-اس پر حافظ صاحب نے کہا کہ میری کیا مجال ہے کہ میں آپ سے کچھ عرض کر سکوں- کیونکہ جس شخص نے اسی سال تک ایک روش پر زندگی گزاری ہو- میں شاگرد ہو کر اس کے نقطہ خیال کو کس طرح بدل سکتا ہوں-

اس عاجز پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان: گویہ عاجز حضرت میاں صاحب مرحوم کے سب سے چھوٹے شاگردوں میں سے ہے- لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ فضل کیا ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں کی اولاد نے مجھ عاجز سے علم حدیث تفسیر وغیرہما حاصل کیا- مثلاً خود میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پڑپوتے سید حسن صاحب، جناب حافظ عبدالمنان صاحبؒ کے فرزند صوفی عبدالرشید صاحبؒ، مولانا ابو عبداللہ غلام حسنؒ

سیالکوٹی کے فرزند رشید مولوی عبدالواحد صاحب - اور مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کے پوتے مولوی رضاء اللہ صاحب اور مشہور ولی اللہ مولوی غلام رسول صاحب ساکن قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ کے پوتے مولوی محمد صادق صاحب نے - اللھم اغفرلی ولا ساتذتی و سلامذتی المتادبین۔

علاوہ تبحر فی العلوم ہونے کے آپ نہایت وسیع الخیال 'زندہ دل' خوش طبع فراخ حوصلہ ادا شناس' سادگی پسند' تیز فہم' مجتہد' امام' فقیہ' محدث اور درویش تھے - عملی زندگی میں سب سے بڑا زیور آپ کی درویشانہ روش تھی۔

آپ کبھی اپنی ضرورت کسی کے سامنے ذکر نہ کرتے تھے - ساری عمر آپ کی صحت بہت اچھی رہی - اتنی بڑی عمر میں تندرستی کی وجہ آپ کی سادہ زندگی سادہ غذا اور جفاکشی تھی۔

آخر ۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء سو برس کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔

انگریزی اخبار پائونیر الہ آباد نے آپ کی وفات پر مضمون لکھا - اردو اخباروں میں تو غالباً سارے ہندوستان میں کوئی اخبار یا رسالہ نہ ہو گا جس نے آپ کی وفات پر ماتم نہ کیا ہو۔

نماز جنازہ آپ کے سعادت مند بڑے پوتے سید عبدالسلام صاحب نے پڑھائی - جنازہ کے ساتھ خلقت کا اس قدر ہجوم تھا کہ باوجود اس کے کہ میت کی چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھے ہوئے تھے اور لوگ ان کو پکڑ کر تبرک کی خاطر نوبت بہ نوبت کندھا دے رہے تھے - پھر بھی بہت سے لوگوں کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کا موقعہ نہ ملا۔

شہر کے لاتعداد مسلمان اور بہت سے عمائد اور علماء جنازہ کے ساتھ تھے - آپ کی نماز جنازہ غائبانہ ہندوستان و پاکستان کے قریباً تمام شہروں اور قصبوں بلکہ بیشتر قریوں میں پڑھی گئی۔

درس تدریس میں کثرت مشغولیت و محویت کی وجہ سے آپ تصنیف و تالیف کا موقعہ نہ پا سکے - دوسری وجہ وہ ہے جو آپ نے خود بیان فرمائی جب کہ کسی شاگرد نے درخواست کی کہ آپ بھی حدیث کی کسی کتاب پر کوئی شرح تحریر فرمائیں - اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ بات بتاؤ جو پہلے علماء نہیں لکھ گئے تاکہ میں اس کسر کو پورا کر دوں - ہاں علماء کی کتابیں پڑھانے کا کام رہتا ہے سو وہ میں کر رہا ہوں - تاہم آپ نے بہت سے رسائل متفرق مسائل میں لکھے مگر آپ کی سب سے زیادہ ممتاز تصنیف کتاب معیار الحق ہے - جس میں تقلید اور اتباع سنت کی ایسی خوش اسلوبی اور متانت سے تحقیق کی گئی ہے کہ اس نے اہل حدیث کو دیگر لوگوں سے سنت میں ممتاز کر دیا ہے - آپ کے جس قدر فتاوی میسر ہو سکے ان کو آپ کے پوتوں سید عبدالسلام اور سید ابوالحسن نے دو جلدوں میں طبع کرا کر شائع کیا ہے۔

آپ کے تلامذہ : آپ کے تلامذہ اقطاع عالم' حجاز' مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' یمن' نجد' شام' حبش' افریقہ' تیونس' الجزائر' کابل' غزنی' قندھار' پشاور' سمرقند' بلخ' بخارا' یاغستان' ایشیا کوچک' ایران' مشہد' خراسان' ہرات' چین' کوچین اور ہندوستان و پاکستان کے تقریباً ہر شہر' ہر ضلع اور بیشتر قریوں اور دیہات میں شرقاً غرباً جنوباً و شمالاً پھیلے ہوئے ہیں - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اشاعت علم حدیث اسلامی دنیا میں جیسی کچھ آپ کی ذات سے ہوئی وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔

آپ کے چند تلامذہ کے اسماء گرامی :- صرف خاص خاص اصحاب کے نام دئے جاتے ہیں - ورنہ یہ فہرست ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

(۱) مولانا الحاج حافظ ابو محمد ابراہیم ساکن آرہ - مکی مدفناً (آرہ)
(۲) مولوی حکیم ضمیر الحق صاحب (آرہ)
(۳) مولوی محمد قاسم صاحب منتظم مدرسہ عالیہ کلکتہ (آرہ)
(۴) مولوی ابوالحسنات عبدالغفور دانا پوری ضلع پٹنہ
(۵) حکیم فضل حسین صاحب - مظفر پور - پٹنہ (آپ کی سوانح عمری کے مولف)

(۶) مولوی تلطف حسین صاحب پٹنہ
(۷) مولانا شاہ محمد عین الحق صاحب خانقاہ پھلواری ضلع پٹنہ
(۸) مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی- ضلع دربھنگہ
(۹) مولوی محمد حیات صاحب سندھ
(۱۰) مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی
(۱۱) مولوی محمد عبدالحکیم صاحب کلانوری (پنجاب)
(۱۲) مولانا عبداللہ صاحب غزنوی امرتسر
(۱۳، ۱۴، ۱۵) مولانا محمد صاحب غزنوی اور ان کے برادران مولانا عبدالجبار اور مولانا عبدالواحد صاحبان-
(۱۶) مولانا ابوالوفا ثناءاللہ صاحب امرتسری
(۱۷) قاضی طلا محمد صاحب پشاوری
(۱۸) مولانا سید شریف حسین صاحب (حضرت میاں صاحب کے فرزند ارجمند)
(۱۹) شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی- مترجم قرآن مجید
(۲۰) خاکسار مولف محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (سیالکوٹ)
(۲۱) مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ
(۲۲) شیخنا حافظ عبدلمنان صاحب وزیر آبادی- ضلع گوجرانوالہ
(۲۳) مولوی محمد سعید صاحب (بنارس)
(۲۴) مولوی محمد عرفان صاحب نواسہ جناب سید احمد قدس سرہ
(۲۵) مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری
(۲۶) مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوٴ
(۲۷) مولوی محمد بدیع الزماں صاحب لکھنوٴ
(۲۸) مولوی محمد وحید الزماں صاحب وغیرہ وغیرہ

اللھم اغفرلھم وارحمھم وارفع درجاتھم

حضرت میاں صاحب مرحوم کا ورود مسعود سیالکوٹ میں: آپ کے تلامذہ کی فہرست میں آپ کے لائق شاگرد مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کا نام نامی بھی ہے- غالباً ۱۸۸۹ء یا ۱۸۹۰ء کا ذکر ہو گا کہ مولانا ممدوح کے بیٹے شیخ عبدالسلام صاحب کی شادی تھی- برات بٹالہ ضلع گورداسپور سے بمقام پسرور ضلع سیالکوٹ جانے والی تھی- مولانا ابوسعید صاحب نے حضرت میاں صاحب سے اس تقریب میں شامل ہونے کی درخواست کی جو حضرت میاں صاحب مرحوم نے منظور فرمائی اور آپ سیالکوٹ میں تشریف لائے- مولانا ابوسعید صاحبؒ کی برادری شیخ قانون گو محلّہ دھارووال شہر سیالکوٹ میں کثرت سے آباد تھی- برات اسی محلّہ میں اتری- حضرت میاں صاحب کی زیارت کے لئے اہل حدیث اور دیگر حضرات جوق در جوق آتے رہے اور حضرت میاں صاحب مرحوم ان کو قرآن وحدیث کی تابعداری کے وعظ سناتے رہے-

پسرور سے واپسی پر بھی آپ نے اسی محلّہ میں نزول فرمایا اور لوگ اسی طرح کمال اشتیاق سے زیارت کو آتے رہے- مغرب کی نماز آپ نے سیالکوٹ کے اسٹیشن کے میدان میں ادا کی- جس میں مقتدیوں کا شمار ہزاروں تک تھا- قرات میں آپ نے سورہ حشر کی آخری آیات تلاوت فرمائیں- جو حاضرین پر عجب اثر انداز ہوئیں- اس نماز کا اثر آج تک میرے دل پر باقی ہے- ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم-

وفات کے قریب میاں صاحب کا جنات کو وعظ سنانا: ۱۳۱۶ھ میں جب یہ عاجز اپنے اور پنجاب کے استاذ جناب حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم وزیر آبادی کی معیت میں پہلی بار حضرت میاں صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا- تو آپ نے ان ایام میں ایک دن مسجد میں آکر فرمایا کہ آج رات اس کمبخت نے ہم کو سونے نہیں دیا- کبھی اس طرف سے پاؤں آدباتا اور کبھی اس طرف سے- اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ جو جن آپ کا شاگرد تھا وہ رات کے وقت آپ کے پاؤں دبایا کرتا تھا-

۱۳۲۰ھ میں جب آپ رحلت فرماگئے تو اس کے کچھ عرصہ بعد میں پھر دہلی گیا تو مولانا تلطف حسین صاحب عظیم آبادی جو حضرت میاں صاحبؒ کے لائق شاگرد اور

سفر حج میں آپ کے رفیق تھے انہوں نے ذکر کیا کہ جس روز میاں صاحبؒ کا انتقال ہونا تھا- ہم بہت سے ارادت مند آپ کی خدمت میں حاضر تھے- حضرت میاں صاحب نے یکایک گھر کی مستورات کو فرمایا کہ پردہ کرلو-اس کے بعد بار بار وعلیکم السلام وعلیکم السلام کرتے رہے- کچھ عرصہ تک یہی وظیفہ جاری رہا-اس کے بعد آپ نے سورہ جن تلاوت کر کے وعظ کہنا شروع کیا-وعظ ختم کرنے کے بعد دیر تک وہی وعلیکم السلام وعلیکم السلام کرتے رہے- کچھ عرصہ تک یہی وظیفہ جاری رہا-اس کے بعد آپ نے مستورات کو واپس آجانے کو فرمایا-والله علی ما اقول شهيد۔

اللهم ارحم يتوفى كلهم و ارفع درجاتهم ۔

حضرت میاں صاحب مرحوم کی اولاد : نرینہ اولاد آپ کی صرف مولانا سید شریف حسین صاحب تھے- جو جناب حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم کے ہم سبق تھے- لیکن وہ کمال علم حاصل کرنے کے بعد حضرت میاں صاحب مرحوم کی زندگی ہی میں فوت ہوگئے تھے-ان کے دو بیٹے سید عبدالسلام اور سید ابوالحسن صاحبان تھے-سید ابوالحسن صاحب کے فرزند مجھ سے سیالکوٹ میں پڑھتے رہے-سنا ہے کہ حالیہ انقلاب کے بعد لاہور میں متوطن ہو کر فوت ہوگئے ہیں-

اللهم اغفرلنا و لهم وارحمهم۔

استاذ پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادیؒ

ولادت ۱۲۶۷ھ   وفات ۱۳۳۴ھ

آپ کا ذکر خیر کسی قدر جناب میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے تذکرہ میں گذر چکا ہے- آپ ان کے لائق شاگردوں میں سے ہیں جنہوں نے علم حدیث کی اشاعت میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی- آپ بلاتردد تقریباً سارے پنجاب کے استاد حدیث ہیں- کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہیں جس میں آپ کے شاگرد نہ ہوں- آپ موضع کرولی تحصیل پنڈ دادنخاں ضلع جہلم کے اعوان خاندان کے روشن چراغ ہیں- آپ کی ولادت ۱۲۶۷ھ

میں ہوئی ہے-

حصول تعلیم : سات سال کی عمر میں آپ کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسجد میں بٹھایا گیا- مگر ۹ سال کی عمر میں نزول الماء کے عارضہ سے آپ آنکھوں سے بالکل معذور ہوگئے- اسی حالت میں تحصیل علم کے لئے مختلف بلاد کا سفر کرتے رہے- گجرات کاٹھیاواڑ بمبئی ریاست بھوپال کے سفر کے بعد آخرکار آپ دہلی میں حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیگر علوم کے ساتھ علم حدیث کو پایہ تکمیل تک پہنچایا-

آپ کا حافظہ نہایت قوی تھا-اس کے متعلق مجھے چشم دید حالات اور حافظ صاحب موصوف کے بیان فرمائے ہوئے بہت سے واقعات معلوم ہیں مگر بخوف طوالت اس مختصر ترجمہ میں ان کو بیان نہیں کر سکتا-

آپ کو علم حدیث کے ساتھ ایک نادر عشق تھا- چنانچہ تدریس کے وقت جو کیفیت آپ پر طاری ہوتی تھی اس کا اثر اہل ذوق طلبہ پر بھی پڑتا تھا-اس کے بھی بہت سے واقعات ہیں-

آپ فرماتے تھے کہ میری عمر بیس برس کی تھی جب جناب عبداللہ صاحب غزنوی نے مجھے امرتسر میں درس حدیث کی مسند پر بٹھایا- چنانچہ کچھ عرصہ تک میں امرتسر میں درس حدیث دیتا رہا-اس کے بعد وزیرآباد آیا- ابتداء میں یہاں بعض لوگوں نے شدت سے میری مخالفت کی- چنانچہ بعض اوقات مجھے گٹھڑی کی طرح باندھ کر باہر کھیتوں میں پھینک دیا جاتا- میں پھر شہر میں آجاتا- یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ نے اکثر لوگوں کو میرا عقیدت مند بنادیا-

صورت وسیرت : آپ کے چہرہ پر وجاہت اور ہیبت نمایاں تھی- لحیم جسیم اور صاحب قوت تھے- آپ کی آواز بلند- مزاج سادہ اور صاحب قناعت بزرگ تھے- لباس اور خوراک جیسی میسر آئی پہن لی اور کھالی- طبیعت میں تکلف ہرگز نہیں تھا- اپنی حاجت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے سامنے بیان نہیں کرتے تھے-

آپ نے مجھ عاجز سے ذکر کیا کہ ایک دفعہ موسم سرما میں میرے پاس کوئی گرم کپڑا موجود نہیں تھا- میں مسجد میں بیٹھا بغلوں میں ہاتھ دبائے سردی کی شدت سے ٹھٹھر رہا تھا اور تہجد کے وقت یاد خدا میں مشغول تھا کہ اس وقت کسی نا معلوم شخص نے پشمینہ کا ایک کابلی دھسہ مجھ پر ڈال دیا جس سے میرا بدن گرم ہو گیا- وہ دھسہ مدت تک آپ کے پاس دیکھا جاتا رہا- لیکن اوڑھانے والے کا پتہ نہ لگ سکا-

انسانوں کے علاوہ جنات نے بھی آپ سے علم حدیث حاصل کیا- اس امر کے بھی کئی واقعات آپ نے خود مجھ سے ذکر فرمائے-

آپ اپنے شاگردوں پر خصوصی نظر الفت رکھتے اور ان کی دلداری میں ہر طرح سعی فرماتے- مولانا ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری مرحوم اور اس عاجز پر خصوصی نظر عنایت تھی- اس بات کی شہادت آپ کا ہر شاگرد دے سکتا ہے-

آپ کی تدریس حدیث کا شہرہ اس قدر بلند ہوا کہ آپ کے پاس علم حدیث کی تحصیل و تکمیل کے لئے ایسے ایسے علماء بھی آتے رہے جو دیگر فنون میں کامل مہارت رکھتے تھے-

آپ کی بے تعصبی: آپ ائمہ دین کا بہت ادب کرتے تھے- چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابو حنیفہؒ کی بے ادبی کرتا ہے- اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا- بعض متشدد لوگ آپ سے حدیث پڑھنے آتے مگر یہ شرط کر لیتے کہ حدیث تو آپ سے پڑھیں گے لیکن نماز آپ کے پیچھے ادا نہیں کریں گے- آپ اس شرط کو بخوشی منظور فرما لیا کرتے-

بعض عقیدت مند مقتدی اس پر سوال کرتے کہ آپ ایسے لوگوں کو کیوں پڑھاتے ہیں جو نماز میں آپ کی اقتدا پسند نہیں کرتے؟ اس کے جواب میں آپ فرماتے کہ بھائی یہ ان کی نگاہ انتخاب ہے- انہوں نے مجھے جس قابل پایا اس کا فائدہ اٹھانا چاہا- اگر ان کی قسمت میں سعادت لکھی ہے تو اللہ تعالی ان کو اتباع سنت کی راہ دکھا دے گا-

چنانچہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ایسے متشدد شاگرد رو رو کر آپ کے پاؤں پر گر پڑتے اور اپنی خطائیں معاف کراتے-

وعظ و تذکیر کے بیان میں اس قدر زور تھا یہی معلوم ہوتا کہ علم حدیث کا دریا بہہ رہا ہے- حاضرین پر اس کا خاص اثر ہوتا تھا-

شمس العلماء مولانا میر حسن صاحب سیالکوٹی (جو میرے اور ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کے بھی استاد تھے) کو جناب حافظ صاحب مرحوم سے کمال عقیدت تھی- آپ فرمایا کرتے تھے کہ حافظ صاحب میں ایک خاص کمال ہے کہ مسائل میں آپ متشدد اور تنگ ظرف نہیں ہیں اور اگر سوال جواب کے سلسلہ میں اپنی بات سے رجوع بھی کرنا پڑے تو ہچکچاتے نہیں-

آپ کے حلقہ درس کی وسعت: آپ کے شاگرد نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان و پاکستان کے اکثر شہروں اور دیہات میں پائے جاتے ہیں- چنانچہ مدراس، دہلی، کلکتہ، رنگون اور دوسرے مشہور شہروں میں آپ کے بہت سے شاگردوں سے میری ملاقاتیں ہوئیں جن میں سے بعض میرے زمانہ تعلیم سے پیشتر آپ سے علم حدیث کی تکمیل کر چکے تھے- سید ابوالحسن صاحب تبتی صحیح مسلم میں میرے ہم درس تھے- علاقہ نجد کے ایک شاگرد کی سند آپ کے حکم سے میں نے خود لکھی اور اس پر آپ کی مہر لگائی-

مرض الموت: مرض الموت میں آپ نے مجھے اور میرے عم زاد بھائی مولوی احمد دین صاحب سیالکوٹی کو بلایا اور کہا کہ میرا کتب خانہ اس مسجد میں تدریس حدیث میں استعمال کیا جائے- یہ وقف ہے- میری اولاد میں سے کسی کو اس کی ملکیت کا حق نہ ہو گا- اگر یہاں درس قائم نہ رہے تو یہ کتب خانہ دہلی میں اہل حدیث کانفرنس کی تحویل میں دے دیا جائے-

اس کے بعد آپ نے گھر سے ململ کی ایک پرانی دستار منگوا کر فرمایا کہ میاں صاحب مرحوم نے مجھے یہ عنایت فرمائی تھی اس کو میرے کفن میں استعمال کرنا- آپ

نے ماہ رمضان ۱۳۳۴ھ میں وفات پائی - انا للہ و انا الیہ راجعون -

مسلمانان وزیر آباد کے علاوہ لاہور، لائل پور، سیالکوٹ، جہلم اور دیگر کئی شہروں سے شاگرد اور ہزار ہا ارادت مند وزیر آباد پہنچے - اور بلا تفریق مذہب نماز جنازہ میں شریک ہوئے - نماز جنازہ میرے دوسرے استاد اور آپ کے سمدھی مولانا ابو عبد اللہ عبید اللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹی نے پڑھائی - جو لوگ نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے - وہ جوق در جوق آتے گئے اور جنازہ پڑھتے رہے - چنانچہ بارہ دفعہ نماز ادا کی گئی - مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم نے اس روز فرمایا کہ آج اس زمانہ کا امام بخاری فوت ہو گیا ہے -

اوپر گزر چکا ہے کہ آپ کی وفات رمضان شریف میں ہوئی - گرمی کا موسم تھا - جب تک نماز جنازہ ہوتی رہی ابر رحمت نے سایہ کر رکھا تھا - اللھم اغفر لہ و ارحمہ و ارفع درجاتہ -

حافظ صاحب مرحوم کی اولاد : حافظ صاحب مرحوم کے پانچ فرزند عبد الجبار، عبد الستار، محمد حسین، عبد الرشید، عبد الباسط اور تین لڑکیاں تھیں - عبد الجبار، عبد الستار اور محمد حسین فوت ہو چکے ہیں - عبد الرشید اور عبد الباسط اللہ تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں - عبد الجبار مرحوم کے فرزند عبد اللطیف نے وکالت پاس کرنے کے بعد کچھ دیر پریکٹس کی اب وہ کراچی میں ہیں - عبد الباسط راولپنڈی میں اور عبد الرشید پشاور میں ہیں -

شیخنا حضرت الاستاد مولانا ابو عبد اللہ عبید اللہ غلام حسن سیالکوٹی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت

صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی - غالباً حافظ عبد المنان صاحبؒ کے ہم عمر تھے -

وفات : ۱۸ جنوری ۱۹۱۸ء

آپ شیخ فاروقی ہیں - آپ کے آباؤ اجداد مدت سے موضع ساہووالہ ضلع سیالکوٹ میں مقیم تھے - آبائی پیشہ طبابت و خوش نویسی تھا - چھوٹی عمر میں شہر سیالکوٹ میں مولانا

غلام مرتضیٰ صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہوئے - جن کا حلقہ درس شہر سیالکوٹ اور دیگر متصلہ شہروں میں مشہور تھا -

آپ کی طبیعت نہایت ذکی اور حافظہ نہایت قوی تھا - تھوڑی ہی مدت میں نصاب تعلیم ختم کر کے اپنے استاذ معظم کی وفات کے مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے - علم حدیث کی سند آپ نے کتابتاً حضرت نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالیؒ سے حاصل کی -

طبیعت نہایت بردبار اور بامذاق تھی - جو شخص آپ کی زیارت کی سعادت حاصل کرتا اور ایک نماز بھی آپ کے ساتھ پڑھ لیتا مدتوں اس سے لطف اندوز رہتا - کہ کاش پھر بھی یہ سعادت حاصل ہو - حافظہ کی قوت ایسی تھی کہ جس کتاب کا بھی کوئی صفحہ ایک دفعہ دیکھا ہے عمر بھی اس کو دیکھنے کی ضرورت نہ پڑتی - یہ عاجز اپنی ابتدائی عمر میں مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا - اور اخیر یوم وفات تک آپ کی خدمت میں رہا - اتنے عرصہ میں میں نے آپ کو کسی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں دیکھا - ہر دم تسبیح ہاتھ میں لے کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے - گویا آپ حدیث لایزال لسانك رطبا من ذکر اللہ (حصن حصین) کی زندہ تصویر تھے -

طلبہ کے سبق کے وقت کتاب سامنے نہیں رکھتے تھے - البتہ صبح کی نماز کے بعد درس قرآن کے وقت تفسیر جامع البیان سامنے رکھتے اور بڑے بڑے مشکل مسائل سادہ الفاظ میں سمجھا دیتے - آپ کے طریقہ تعلیم اور حلقہ درس کی شہرت عام تھی - آپ کے شاگرد دور دراز تک پھیلے ہوئے تھے - جن میں سے اب عاجز کی طرح خال خال باقی ہوں گے -

بعض متشدد لوگ بھی آپ کی خدمت میں آتے اور باوجود آپ سے علم حاصل کرنے کے نماز میں آپ کے شریک نہ ہوتے تھے - مگر مولانا ان سے کچھ تعرض نہ کرتے - لیکن کچھ مدت کے بعد ان پر ایسا رنگ چڑھتا - کہ وہ سنت کے پورے تابعدار ہو جاتے -

شمس العلماء مولانا میر حسن صاحب مرحوم جن کا ذکر خیر حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم کے ذکر میں آچکا ہے-وہ مولانا صاحب کے پڑوس میں رہتے تھے-ان کو حضرت مولانا سے کمال عقیدت تھی-اور عام طور پر نمازیں بھی آپ کے ساتھ پڑھتے تھے-

آپ خوش طبع اور بے تعصب تھے-اتباع سنت میں آپ کا عمل نہایت پختہ تھا-تمام بزرگان دین کا نہایت ادب کرتے تھے-اور اختلافی مسائل میں یا تو صورت جامعہ پر عمل کرتے-یا اس صورت پر جو اقرب الی السنہ ہو-اور معرکتہ الآرا اختلافی مسائل میں جن میں نص صریح سے فیصلہ نہ ہو سکتا ہو اپنی طرف سے اجتہاد کرنے سے بہت گریز کرتے تھے-اور اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے مسائل کے سامنے اختلاف ائمہ بیان کر کے ہر ایک کی دلیل بیان کر دیتے اور اس کو انہی کے ذمہ پر چھوڑ دیتے' اور فرماتے کہ اپنی طرف سے قول پیدا کر کے ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کی نسبت ائمہ کا قول ذکر کر دینے میں اپنی سبکدوشی ہے اور بس[1]

فتویٰ میں حق گوئی یہاں تک مسلم تھی-کہ دیگر فرقوں کے لوگ بھی اپنے علماء کی نسبت مولانا صاحب کی طرف زیادہ رجوع کرتے-اور آپ کا طریق تفہیم اس قدر موثر تھا-کہ شدید مخالف لوگ بھی آپ کی مجلس سے معتقد ہو کر اٹھتے-دوسرے فرقوں کے لوگوں کی زبان پر عام طور پر مشہور تھا-اگر مولانا صاحب اس درجہ کے متقی نہ ہوتے تو اہل حدیث کا مذہب سیالکوٹ میں اتنی جلدی نہ پھیلتا-

تصانیف : آپ نے اپنی ابتدائی عمر میں چند رسائل ضرور تاتصنیف کئے جو انداز بیان سے از بس مفید ہیں-اور وہ یہ ہیں :-

(۱،۲) کتاب الصلوٰۃ : جو سادہ طور پر سنت کے مطابق نماز کی تعلیم کے متعلق ہے-اس کے حاشیہ پر ایک رسالہ نابالغ حافظ قرآن کی اقتدا میں نماز تراویح کے جواز میں لکھا ہے-

[1] اپنے استاد مرحوم کی اقتدا میں اس عاجز کا بھی یہی مسلک ہے-

(۳) لوامع الانوار فی عقائد الابرار : اس میں بعض معترضین نے اہل حدیث کے عقائد و اعمال پر جو اعتراض کئے ہیں-ان کا جواب دیا گیا ہے-

(۴) شمس الضحیٰ : بعض معترضین کے اعتراضات کے جواب میں ہے-

(۵) شہاب ثاقب : تقویۃ الایمان کی بعض عبارتوں پر جو اعتراض کے لئے ہیں ان کے جواب میں ہے یہ سب کتابیں اردو میں ہیں-

(۶) القول الفصیح : اس کتاب میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت کیا گیا ہے یہ عربی زبان میں ہے-حاشیہ پر اس کا اردو ترجمہ بھی درج ہے-

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کے متعلق اہل حدیث اور احناف کی طرف سے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں- طرفین کی جو کتابیں دیکھنے میں آئی ہیں میرے ناقص علم میں ان سب میں حضرت مولانا ممدوح کی کتاب القول الفصیح سب سے زیادہ نافع اور مفید ہے-

(۷) انیس الغریب : غیر مطبوعہ- کس کا مسودہ مولانا صاحب نے مجھے عنایت فرمایا تھا-اس میں خطبہ جمعہ کا جواز غیر عربی زبان میں ثابت کیا گیا ہے-انشاء اللہ اس کو چھپوا کر شائع کر دیا جائے گا-

آپ پر ذوق تصوف غالب تھا- آپ کے چہرہ مبارک کا اتنا جلال تھا- کہ اہل ثروت بلکہ حاکم تک آپ کو اپنی مجلسوں میں نہیں بلا سکتے تھے-بلکہ آپ کی مجلس میں خود حاضر ہونے کو سعادت جانتے تھے-

وفات : جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات- بوقت عشاء بتاریخ ۱۸ جنوری ۱۹۱۸ء کو داعی اجل ہوئے-اناللہ وانا الیہ راجعون-

آپ کا جنازہ مولانا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی مرحوم کے مقربہ کے قریب کھلے میدان میں ہوا-جس میں بکثرت ہجوم تھا-تمام فرقوں کے لوگ بلاامتیاز شامل تھے-

آپ کے دو صاحبزادے مولوی عبداللہ و عبدالواحد اور ایک بیٹی اللہ تعالیٰ کے فضل سے زندہ سلامت ہیں-

اول الذکر پوسٹ ماسٹر اور عبدالواحد کلرک آف کورٹ کے عہدہ سے ریٹائر ہو چکے ہیں- اور آپ کی صاحبزادی ڈاکٹر شاہ نواز صاحب بالقابہ میڈیکل آفیسر ریاست حیدر آباد دکن کے گھر میں آباد ہے-

اللھم اغفرله و ارحمه و ارفع درجته فی اعلی علیین-

شیر پنجاب حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ

ولادت جون ۱۸۶۸ء وفات مارچ ۱۹۴۸ء- مولانا کا تبحر علمی اور قادر کلامی مسلم کل ہے اس لئے محتاج بیان نہیں- آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا ابو عبید احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولانا غلام علی صاحب قصوری سے حاصل کی- بعد ازاں حافظ عبدالمنان صاحب سے حدیث پڑھی- فقہ اور دیگر علوم کی تکمیل کے لئے دیوبند تشریف لے گئے- اس کے بعد میاں نذیر حسین صاحبؒ سے حدیث کی سند حاصل کی-

مولانا کی مفصل سوانح عمری عزیزم مولوی عبدالمجید نے ایک ضخیم کتاب "سیرت ثنائی" کے نام سے تصنیف کی ہے- جس نے مجھے ان کے حالات لکھنے سے بہت حد تک مستغنی کر دیا ہے- ہاں اس قدر ضرور ہے کہ اگر عزیز مذکور اس کتاب کا مسودہ مجھے دکھا لیتے تو میں ان کو مولانا مرحوم کی زندگی کے متعلق بہت سی ایسی باتیں املا کراتا- جو کسی اور شخص کو معلوم نہیں- لیکن پھر بھی مولانا کی علمی قابلیت اور دینی خدمات- تصانیف و مناظرات اور ظرافت طبع حاضر جوابی کے دلچسپ واقعات اور غزنوی خاندان سے آپ کی نزاع کے تفصیلی حالات بہت زیادہ اس کتاب میں درج ہیں- جو ناظرین مطالعہ سے ملاحظہ فرما سکتے ہیں-

پاک و ہند کی تقسیم کے بعد ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو مولانا ممدوح مع اہل و عیال لاہور چلے آئے وہاں سے آکر کچھ دن گوجرانوالہ میں مقیم رہے- چونکہ آپ کو اپنے امرتسر والے پریس کے عوض سرگودھا میں پریس الاٹ ہوا تھا- اس لئے آپ وہاں چلے گئے- جہاں آپ مرض فالج کے سبب مارچ ۱۹۴۸ء میں فوت ہو گئے- انا لله و انا

الیه راجعون-

مولانا مرحوم کی اولاد : مولانا مرحوم کا فرزند ابو رضا عطاء اللہ فسادات کے زمانہ میں امرتسر میں ہی شہید ہو گیا تھا- ان کے چار لڑکے رضا اللہ' ذکاء اللہ' بہاء اللہ اور ضیاء اللہ ہیں تینوں بڑے دنیوی کاروبار کرتے ہیں- چوتھا زیر تعلیم ہے-

معذرت

اس حصہ کتاب کے مطالعہ کرنے والے احباب دیکھیں گے کہ اس میں بہت سے نامی اہل حدیث علماء کرام کے حالات اور کارنامے قلم بند نہیں کیئے گئے- مثلاً مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی- مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری- مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی- مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی- مولانا شاہ عین الحق صاحب پھلواروی- مولانا عبداللہ صاحب غزنوی اور ان کے صاحبزادے مولانا عبدالجبار صاحب و مولانا محمد صاحب وغیرہما خاندان غزنویہ- مولانا غلام علی صاحب (قصوری) امرتسری- مولانا احمد اللہ صاحب امرتسری- مولانا حافظ محمد صاحب ساکن لکھوکے- مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی- مولانا رحیم بخش صاحب لاہوری وغیرہم- جن کے علمی و عملی کمالات اور ملی خدمات قابل قدر ہیں-

رحمهم الله اجمعين و رفع درجا تهم في اعلى عليين-

اس فروگذاشت کی وجہ یہ ہے- کہ اپنی ضعف بصارت کی وجہ سے اس عاجز کو کتاب ہذا کو بادل ناخواستہ اسی جگہ پر ختم کرنا پڑا ہے- اللہ تعالیٰ اس کو درجہ قبولیت بخشے- اور مجھ عاجز کے لئے اسے ذخیرہ عاقبت اور ناشرین کے لئے دین و دنیا میں موجب خیر و برکت کرے- آمین ثم آمین-

والحمد لله الذى بعزته و جلاله تتم الصالحات و الصلوة و السلام على رسوله محمد واله و اصحابه و ازواجه المطهرات.

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ
مطابق ۳ جنوری ۱۹۵۳ء

مسود اوراق بندہ ضعیف و حقیر
حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

حضرت مولانا عبداللہ غزنوی رحمتہ اللہ علیہ

ولادت: آپ ۱۲۳۰ھ میں قوم عمر زئی موضع بہادر خیل ضلع غزنی میں پیدا ہوئے- یہ جگہ خواجہ ہلال کے پہاڑ کے قریب ملک افغانستان میں واقع ہے-

نام و نسب اور تحصیل علم: اصل نام محمد اعظم تھا- لیکن آپ نے اس خیال سے کہ محمدؐ جو کائنات سے اعظم اور مخلوق سے افضل ہیں- اللہ کے رسول ہیں- اس لئے میرا نام عبداللہ بہتر ہے- آپ کے والد کا نام محمد اور دادا کا نام بھی محمد اور پردادا محمد شریف تھے- یہ سب ولی اللہ تھے- چنانچہ آپ نے ولایت کی گود میں پرورش پائی بچپن ہی سے تحصیل علم میں مصروف ہوگئے- اور اسی حالت میں جوانی کی حد کو پہنچے- ان دنوں کا ایک واقعہ آپ سنایا کرتے- کہ میں ایک دفعہ اپنے دادا محمد شریف کی قبر پر (جو اس علاقہ میں مقبول انام ہے) گیا تو مجھے القاء ہوا- لا الہ غیرک میں نے محسوس کیا- اللہ نے مجھے جتلایا ہے کہ اللہ کے سوا دوسرے کی طرف رجوع کرنا عبادت اور استعانت میں شرک ہے- قبروں پر اس نیت سے جانا- کہ فلاں مطلب حاصل ہو جائے توحید میں رخنہ ڈالتا ہے- اور کلمہ شہادت (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کے معنی کے مخالف ہے- اور اگر کوئی گمان کرے- کہ میں کسی نیک آدمی کی قبر پر اس لئے نہیں جاتا- کہ ان سے کچھ سوال کروں- بلکہ اس لئے جاتا ہوں کہ وہ قبر مبارک مقام ہے وہاں میری دعا جلد قبول ہوگی- یہ بھی دین میں غلطی ہے- عبادت اور دعا کی قبولیت کے لئے شارع علیہ السلام نے ہر جگہ بہتر جگہ مسجد مقرر فرمائی ہے-

شیخ حبیب اللہ قندھاریؒ سے استفادہ: حامی شریعت شیخ حبیب اللہ قندھاری جو اس علاقہ میں صاحب علم اور زہد و تقوی میں بے مثل تھے ان سے بعض مسائل میں استفادہ کیا- ان کی منشا سے آپ نے "تقویۃ الایمان" کا مطالعہ کیا- اور تمام قسم کے شرک کو سمجھ کر مالک حقیقی کی طرف متوجہ ہوگئے- شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کو صاحب کمالات سمجھتے- اکثر حدیث کی کتابوں (بخاری شریف وغیرہ) کا مطالعہ کیا- تو سنت کی تابعداری کا خیال محکم ہوگیا- یہ مسئلہ میں صحیح حدیث پر عمل کرنے لگے- اگر

کوئی جزئی فقہ کی جزئیات سے حدیث کی مخالفت ہوتی- تو اسے چھوڑ دیتے اور فرما دیتے- تعجب ہے- صحیح حدیث جو چند واسطوں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جاتی ہے ترک کی جاوے اور اس کے خلاف فقہ کا قول جس کے نقل کرنے والے مفتی اور قاضی ہیں- وہ بھی معلوم نہیں کہ کس واسطے سے ان کے پاس پہنچا ہے عمل کیا جاوے- چنانچہ آپ نے تشہد میں رفع سبابہ- رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع یدین- آمین- بالجہر- فاتحہ خلف امام پر عمل کرنا شروع کر دیا- اور نماز بھی اول وقت خشوع خضوع سے پڑھتے-

توحید و سنت کی تبلیغ- شرک و بدعت کی تردید- لوگوں کی مخالفت اور جلا وطنی : آپ نے توحید و سنت کی تبلیغ اور شرک و بدعت کی تردید شروع کر دی- علاقہ کے عالم اور عوام آپ کے مخالف ہو گئے- امیر کابل دوست محمد خان سے آپ کی شکایتیں کیں- آپ کی مخالفت میں نمایاں حصہ لینے والے خان ملادرانی- ملا مشکی ارنڈی اور ملا نصر اللہ لوہانی تھے- امیر کابل نے ان لوگوں کے خوش کرنے کے لئے آپ کو وطن سے نکال دیا-

غزنی سے رخصت ہو کر آپ سوات بنیر پہنچے- وہاں سے کوٹھ- پھر ہزارہ- پنجاب اور وہاں سے دہلی تشریف لے گئے- یہاں آپ نے سید نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ سے حدیث کی سند حاصل کی- انہی دنوں ۱۸۵۷ء بمطابق ۱۶ رمضان المبارک ۱۲۷۲ھ کو آزادی کی جدوجہد جسے غدر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے شروع ہو گئی- دہلی سے سند حاصل کر کے آپ پنجاب تشریف لائے- یہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد براستہ ڈیرہ اسماعیل خان وطن واپس چلے گئے- یہ امید لے کر کہ شاید امیر کابل کا خیال بدل گیا ہو- ایک ماہ کے قیام کے بعد یکایک امیر کابل کے سوار آپ کے اخراج کے پروانہ لے کر پہنچے- آپ وہاں سے نکل کر ملک ناوہ میں چلے گئے- امیر نے وہاں بھی آپ کو رہنے نہ دیا- اور معہ اہل و عیال یاغستان کے پہاڑوں میں نکال دیا- آپ نے اسی علاقہ میں سکونت اختیار کر کے توحید و سنت کی تبلیغ شروع کر دی- ناوہ کے علماء کو جب

پتہ چلا- تو ایک لشکر جرار سے آپ پر چڑھائی کر دی- آپ کا گھر جلا دیا- اور آپ کے چند معتقدوں کو زخمی کر گئے- آپ کو وہاں سے بھی نکلنا پڑا- اہل و عیال سمیت پہاڑوں میں جگہ جگہ پھرتے رہے- جس جگہ آپ جاتے- مخالف علماء وہاں سے آپ کو نکلوا دیتے- آپ کو کہیں بھی سکون حاصل نہ ہوا- امیر دوست محمد خان فوت ہو گیا- اور اس کا بیٹا شیر علی خان تخت نشین ہوا- مولانا عبد اللہؒ نے خیال کیا- کہ شاید حالات پر سکون ہو گئے ہوں پھر وطن چلے گئے علماء نے اس کے پاس بھی شکایت کر دی- اس نے آپ کو حکم دیا کہ ہماری ولایت سے باہر ہو جاؤ- آپ حیران ہوئے کہ اب کس طرف جاؤں- اتفاق سے اس وقت کابل میں بغاوت ہو گئی- اور شیر علی خان تخت چھوڑ کر ہرات چلا گیا- پھر محمد افضل خان اور محمد اعظم خان کو سلطنت ملی- علماء سو نے مولانا کے خلاف ان کو بھی اکسایا- محمد افضل خان نے مقر کے حاکم کے ذریعہ مولانا کو گرفتار کرایا اور آپ کو مع اسباب اور کتابوں کے سردار محمد عمر خان پسر دوست محمد خان کے پاس حاضر کیا- آپ کے فرزندوں میں سے مولوی عبد اللہؒ' مولوی محمد اور مولوی عبد الجبارؒ صاحبان اس وقت آپ کے ہمراہ تھے- سردار موصوف آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر نرم ہو گیا ادب سے بولا- آپ کیوں نہیں اس طریقہ کو چھوڑ دیتے- جو کچھ وقت کے مولوی کرتے ہیں ان کے ساتھ شامل ہو جائیں- آپ نے فرمایا- اللہ تعالی کا حکم ہے کہ کتاب و سنت کو جاری کیا جاوے- سردار پر آپ کی باتوں کا بہت اثر ہوا- چنانچہ اس نے امیر کابل کے نام خط لکھا کہ حسب الحکم آپ کے میں نے اس شخص کو گرفتار کیا- میں نے محسوس کیا ہے کہ یہ شخص صالح اور فقیر ہے- اور اسباب دنیا سے متنفر ہے جو کچھ حکم ہوا رقام فرماویں- انہوں نے جواب میں لکھا کہ ان کو کابل پہنچا دو- سردار نے ان کو اسی وقت کابل کی طرف چند سواروں کے ہمراہ روانہ کر دیا-

ملا مشکی اور ملا نصر اللہ وغیرہ نے کابل کے پاس جا کر کہا- کہ امیر دوست محمد خان کے وقت میں ہم اس شخص کا کفر ثابت کر چکے ہیں- اب دوبارہ تحقیق کی حاجت نہیں- امیر کی مرضی سے سب نے متفق ہو کر درے مارنے اور گدھے پر سوار کر کے شہر میں

پھرانے کا فتویٰ صادر کیا- چنانچہ آپ کو اور آپ کے تینوں بیٹوں کو شہر میں پھرایا گیا- اور درے مارنے شروع کئے- جب وہ ظالم اس تشہیر اور زدوکوب سے فارغ ہوئے تو آپ کو بیٹوں سمیت قید خانہ میں ڈال دیا گیا- دو سال تک قید رہے-

جب امیر افضل خان مر گیا- تو اس کے بعد امیر اعظم خان تخت پر بیٹھا- اس ظالم نے بھی خاں ملا اور خان عبدالرحمٰن کے بہکانے پر آپ کا پشاور کی طرف نکال دیا- آپ کے دو شاگرد ملا سفر اور ملا مراد ہم سفر تھے- پشاور پہنچ کر تھوڑی مدت یہاں توقف فرمایا- اور بعد میں پنجاب کے شہر امرتسر میں مستقل قیام کیا- اور یہیں پر تازیست کتاب و سنت کی تبلیغ فرماتے رہے- اور آپ ماہ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ کو رحلت فرما گئے- انا للہ وانا الیہ راجعون- آپ کا مرقد شہر امرتسر میں دروازہ سلطان ونڈ کے باہر عبدالصمد کاشمیری کے تالاب کے کنارے پر ہے-

آپ کی اولاد : آپ کی اولاد ۱۲ صاحبزادے اور ۱۵ صاحبزادیاں ہیں- صاحبزادوں کے نام حسب ذیل ہیں- مولانا عبداللہؒ- مولانا محمدؒ- مولانا احمدؒ- مولانا عبدالجبارؒ- مولانا عبدالواحدؒ- مولانا عبدالرحمانؒ- مولانا عبدالستارؒ، مولانا عبدالقیومؒ، مولانا عبدالعزیزؒ، مولانا عبدالحئی- مولانا عبدالقدوس- مولانا عبدالرحیم یہ سب کے سب محدث تھے-

مولانا عبداللہؒ بن عبداللہؒ : (امام اول) آپ کی اولاد میں سے حافظ عبداللہ اسلامیہ کالج پشاور میں پروفیسر ہیں اور ان کے لڑکے احمد غزنوی ہیں جو آجکل حیدر آباد سندھ میں سیشن جج ہیں-

مولانا محمدؒ بن عبداللہؒ : ان کی اولاد ہیں- مولانا عبدالاول اور مولانا عبدالغفور ہیں- موخرالذکر نے غزنوی حمائل شائع کی-

مولانا احمدؒ : کی اولاد حکیم عبدالشافی اور مولانا عبدالوارث ہیں-

مولانا عبدالجبارؒ : (امام ثانی) آپ کے صاحبزادے- مولانا احمد علی- مولانا داؤد- حافظ سلیمان- مولانا عبدالغفار اور حافظ عبدالستار ہیں-

مولانا داؤد غزنوی : محتاج تعارف نہیں آج کل پنجاب اسمبلی کے ممبر ہیں اور ان کے دو صاحبزادے عمر فاروق اور ابو بکر ہیں- اول الذکر نہایت نیک اور صالح نوجوان ہیں- آج سے کچھ عرصہ قبل شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جماعت مجاہدین چمرقنڈ میں شامل تھے- اور انگریزوں کے خلاف کئی معرکوں میں شریک جہاد ہوئے- ناشر بھی ان دنوں چمرقنڈ میں موجود تھا- مئوخرالذکر ابو بکر غزنوی آج کل اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر ہیں-

مولانا عبدالواحدؒ : (امام ثالث) آپ کے صاحبزادے مولانا اسماعیل- مولانا عبدالحمید، مولانا ابراہیم، مولانا ولی ہیں- مولانا اسماعیل غزنوی حاجیوں کی خدمت میں نمایاں حصہ لیتے ہیں- اس منصب پر آپ مدت سے مقرر ہیں- جب آپ مولانا عبدالواحدؒ کے ساتھ مؤتمر عالم اسلامی کے اجلاس منعقدہ ۱۹۲۶ء مکہ معظّمہ تشریف لئے گئے تھے تو سلطان نجد و حجاز نے آپ کو حجاج کی خدمت کے لئے مقرر کر دیا مولانا اسماعیل کے صاحبزادے یہ ہیں- خالد، (ڈاکٹر) طارق، قاسم، عبدالواحد، ابراہیم، احمد، محمد، محمود، حسن-

مولانا عبداللہ غزنویؒ :- کے چار صاحبزادے لاولد تھے مولانا عبدالرحمان، مولانا عبدالستار، مولانا عبدالحئی، مولانا عبدالقدوس-

مولانا عبدالعزیزؒ بن عبداللہ : کے لڑکے عبدالاعلیٰ ہیں-

مولانا عبدالرحیمؒ : کے صاحبزادے مولانا یحیٰی- مولانا عیسیٰ- حافظ ذکریا- مولانا موسیٰ- مولانا احمد اور نوح ہیں- مولانا عبدالرحیمؒ موصوف اور مولانا عبدالواحدؒ صاحب تجارت کے سلسلہ میں عرب کے علاقہ نجد ریاض میں گئے- دونوں حضرات سے سلطان ابن سعود والئی نجد و حجاز کے والد بزرگوار سلطان عبدالرحمٰن نے کہا- کہ آپ ہمارے ہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کریں- چنانچہ پانچ سال تک سلطان موصوف کے خاندان کو علم دین پڑھایا- اور دیگر اہل نجد بھی آپ کے علم سے فیضیاب ہوئے رحمہم اللہ علیہم اجمعین-

مولانا غلام رسول (عبداللہ) سکنہ قلعہ میہاں سنگھ گوجرانوالہ

آپ کی ولادت ۱۲۲۸ھ میں ہوئی- آپ نے حدیث سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے پڑھی- مولانا عبداللہ غزنویؒ آپ کے ہم سبق تھے وعظ و نصیحت کا شوق آپ کو ابتدا ہی سے تھا- وعظ اس قدر موثر تھا- کہ اکثر غیر مسلم سن کر مسلمان ہو گئے- دہلی میں آپ کے وعظ کا چرچا بہت ہوا- ان دنوں ۱۸۵۷ء کا واقعہ رونما ہوا- انگریزوں نے موحدین کو اس کا مورد الزام ٹھہرایا جس کے متعلق شبہ ہوتا کہ یہ وہابی ہے دھر لیا جاتا- کسی نے شکایت کر دی کہ غدر میں مولانا غلام رسول وہابی کے وعظوں کو بھی دخل ہے- آپ کی گرفتاری کا خطرہ ہو گیا- وطن واپس آگئے- اور وہاں گرفتار ہو کر منٹگمری کی عدالت میں لاہور پیش کئے گئے- لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ مولوی صاحب کو پھانسی کا حکم ہو گا- ہزاروں آدمی جمع ہو گئے- منٹگمری نے معلوم کیا- یہ کیوں آئے ہیں- جواب ملا کہ یہ شخص پنجاب بھر کا استاد اور پیر ہے- یہ لوگ اس لئے جمع ہوئے ہیں- کہ اگر ہمارے پیر استاد کو پھانسی کا حکم ہوا- تو ہم ختم ہو جائیں گے ہمارا زندہ رہنا فضول ہے یہ سن کر منٹگمری کو اپنا ارادہ بدلنا پڑا- اور مولانا پھانسی سے بچ گئے- لیکن کچھ عرصہ کے لئے نظر بند کر دئے گئے- رہائی کے بعد آپ نے درس تدریس کا سلسلہ تازیست جاری رکھا- اور کتاب و سنت کو زندہ کیا- ۱۲۸۹ھ کو حج سے فارغ ہو کر ۱۲۹۱ھ میں وفات پائی- انا اللہ وانا الیہ راجعون- آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالقادرؒ اور مولانا عبدالعزیزؒ بھی دین کی خدمت کرتے رہے- مولانا عبدالقادر کی اولاد- مولوی عبدالمالک- مولوی عبدالرشید- مولوی محمد صادق- مولوی عبدالوکیل ہیں- اور مولوی عبدالعزیزؒ کی اولاد مولوی عبدالواحد- محمد شفیع- محمد اشرف اور عبدالرحمٰن ہیں-

مولانا حافظ محمدؒ بن بارک اللہؒ لکھوکے

آپ کی تصانیف اور خاندان کی برکت سے کتاب و سنت کی اشاعت کو جو فائدہ پہنچا ہے وہ پوشیدہ نہیں- ان کے ذکر کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے-